ترجمہ دیباچۂ غالب

مترجم

محمد مستقیم

(پونے دو سو سال کے بعد غالب کے کلیات فارسی نظم کا معرکۃ الآرا
دیباچہ شرف بہ ترجمہ ہوا)

کھل گئی وہ بھی گرہ جو کبھی کھلنے کی نہ تھی

خالص اللہ کی رضا اور جذبہ خدمتِ خلق کے تحت کتب کی پی ڈی ایف فائلز بنائی جاتی ہیں۔

کسی بھی قسم کا کاروباری مفاد پیشِ نظر نہیں۔ دعاؤں میں یاد رکھیں۔ شکریہ

PDF By : Ghulam Mustafa Daaim Awan

ترجمہ دیباچۂ غالب

مترجم

محمد مستقیم

(پونے دو سو سال کے بعد غالب کے کلیات فارسی نظم کا معرکۃ الارا
دیباچہ مشرف بہ ترجمہ ہوا)

کھل گئی وہ بھی گرہ جو کبھی کھلنے کی نہ تھی

Turjuma-e-Dibacha-e-Ghalib

by

Mohammad Mustaquim

کتاب ملنے کا پتہ

۱۔ محمد مستقیم، محمد پور، ڈاک گھر پچ رخی، ضلع سیوان (بہار)
۲۔ ایجوکیشنل بک ہاؤس، شمشاد مارکیٹ علی گڑھ، (یو۔پی)
۳۔ بک امپوریم، سبزی باغ، پٹنہ، بہار۴۔

سن اشاعت	جنوری ۲۰۰۶ء
صفحات	۷۲
قیمت	۶۰ روپیے

فہرست

مشمولات | **صفحہ**

مترجم کا تعارف

نام:- محمد مستقیم

پتہ:- موضع محمد پور، ڈاکخانہ، پچروخی، ضلع سیوان (بہار)

تاریخ پیدائش:- ۱۰؍اکتوبر ۱۹۳۱ء

ولدیت:- والد ماجد کا اسم گرامی: جناب نظر الحق صاحب مرحوم

والدہ ماجدہ کا اسم گرامی: محترمہ روضہ بی بی مرحومہ

شغل:- بہار سرکاری ملازمت

ایڈیشنل ضلع مجسٹریٹ کے عہدہ سے سبکدوش

تصنیفات:- انگریزی میں وزڈم اینڈ ونڈر

(سید اجتبیٰ حسین رضوی مرحوم کی شاعری سے متعلق)

غالب ...... ایک سائنس داں

اردو میں ادبی موضوعات پر مضامین جو مختلف رسالوں میں چھپے۔

محمد مستقیم اور غالب شناسی

نابغۂ روزگار مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ کے ادبی ورثہ کے پانچ ابعاد ہیں۔ پچھلے ڈیڑھ سو سال سے اُن کے اردو کلام کا اُن کا خود کردہ انتخاب سب سے زیادہ مقبول رہا ہے، اُن کے اردو خطوط کی اہمیت اور شہرت اُن کی اردو شاعری سے کم رہی ہے۔ پچاس برس پہلے میں نے اُس کا دوسرا مجموعہ ''عودِ ہندی'' پڑھا تھا تو ایک شرحِ حوالہ جات کی سخت ضرورت محسوس ہوئی۔ اس میں بہت سے فارسی اشعار وغیرہ کی طرف مختصر اشارے ملتے ہیں۔ وہ اُن کے زمانہ میں زبان زد ہوں گے مگر اب ہمیں نہ یاد ہیں نہ معلوم۔ اس لیے غالبؔ کے خطوط پانچ جلدوں میں مرتب ہو کے چھپے تو بہت اطمینان ہوا۔ غالبؔ کا فارسی دیوان تیسرے نمبر پر آتا ہے کیوں کہ ہندوستان میں انگریزی دَور کے پہلے سے ہی اُس زبان کا زوال شروع ہو گیا تھا۔ ایرانیوں کو سَبک ہندی پسند نہیں اور اُن کے توران کا حال ہمیں معلوم نہیں کہ وہاں اُن کی کوئی تحریر پہنچی بھی تو کس حد تک پڑھی گئی۔ مگر اُس کا درجہ وہی ہے جو اُن کی اردو نظم ونثر کا ہے۔ میرے سامنے کئی برس ہوئے آل احمد سرورؔ مرحوم نے وارث کرمانی سے پوچھا تھا، غالبؔ کی فارسی اور اردو شاعری میں کسے ترجیح دیتے ہو، اور خاصے تذبذب کے ساتھ جواب ملا تھا، اردو کو۔ مگر تفصیل میں گئے بغیر کوئی فیصلہ ممکن اور قابلِ قبول نہیں۔

ان تین کے بعد غالبؔ کی فارسی نثر آتی ہے جو کم پڑھی گئی لیکن جس

کے مطالب کی تاریخ میں اہمیت ہے۔ خاص طور پر ''دستنبو'' میں ۱۸۵۷ء کی دہلی پر غالبؔ کی ذاتی بلکہ آنکھوں دیکھی معلومات ملتی ہیں۔ پانچواں بُعد (Dimension) غالبؔ کا غیر متداول اردو کلام ہے جو نسخۂ بھوپال اور نسخۂ امروہہ وغیرہ میں دبا پڑا ہے اور کبھی سرورؔ، امتیاز علی عرشی اور مالک رام جیسے غالبؔ شناس اس میں سے کچھ نکال کے ہمارے سامنے پیش کرتے رہے ہیں۔ اس سے کہیں بڑھ کے غیر مقبول اور نامعروف وہ دیباچہ ہے جو انہوں نے بڑے ولولہ اور ترنگ میں اپنے فارسی کلّیات پر لکھا تھا۔ اس کا اسلوب استعاراتی ہے مگر جس پر اُن کی بے تکلف اردو نثر کا سایہ پڑا ہے۔ کئی سال ہوئے پروفیسر نذیر احمد نے فارسی استادوں کے ایک سالانہ جلسہ میں صاف صاف کہا تھا، غالبؔ کا دیباچہ ہم نہیں پڑھتے مگر وہ بہت پڑھنے کے لائق ہے۔ یہ کام اب محمد مستقیم نے کیا ہے اور اپنے طور پر خوب ڈوب کے۔ تصحیح شدہ متن، اردو ترجمہ اور بہت سے مقامات کی اپنی صراحت۔

محمد مستقیم نے آج سے پچاس سال پہلے ریاضی کے ساتھ گریجویشن کرکے بہار پبلک سروس کمیشن کا مقابلتی امتحان دیا تھا اور ڈپٹی کلکٹر ہو گئے تھے۔ لیکن اُن کے طالب علمانہ مزاج نے چند قابلِ توجہ ہم عصر ڈھونڈ نکالے، جن میں یگانۂ زمانہ سید اجتبا حسین رضوی سب سے ممتاز ہیں۔ رضوی فقیر منش، جویائے حق، علم کے شیفتہ، شاعر، آرٹسٹ اور نہ جانے کیا کیا تھے۔ مولانا ابوالکلام آزاد ''اُس لڑکے '' کے بڑے مدّاح تھے اور وہ مولانا کے۔ انہوں نے محمد مستقیم حاکم تحصیل وشہر پر ادبی اور لسانی علوم سے بڑھ کر سائنس اور حرفت کی اہمیت جتائی اور مستقیم عملی ونظری طبیعیات کے عام فہم اور غیر ریاضیاتی بیانات پڑھنے اور

جھنے لگے۔ ساتھ ہی ساتھ اُن کو غالب سے ایسا شغف پیدا ہوا کہ کلّیات فارسی بہ استیعاب پڑھا، خاص کر مثنویاں، اور اُن کو غالبؔ کے اشعار میں الکٹرون، ایٹمی مرکزہ (نیوکلیس)، کائناتی خم، سیاہ غار، نیوٹن کی آفاقی ثقلیت، آئنس ٹائن کی اضافیت عامہ، سحابے (نبولے) جیسے انیسویں اور بیسویں صدی کے انکشافات نظر آئے اور لاسلکی، ٹرانزسٹر، ٹیلی ویژن اور کمپیوٹر جیسی ایجادات کی آوازیں سنائی دیں۔

میں ان کی کتاب ''غالبؔ ایک سائنس داں'' میں ''سائنس داں'' کو بہ معنی سائنس فہم کہتا ہوں نہ کہ موجد و منکشف۔ اس تاویل سے محمد مستقیم بھی متفق ہیں، اس میں انہوں نے اپنے بیانات کی دلیل میں جو اشعار پیش کیے ہیں، میں انہیں تین اقسام میں بانٹتا ہوں۔ اوّل بدیہی، جنہیں پڑھ کے محسوس ہوتا ہے کہ واقعی غالبؔ نے یہی کہا ہوگا، یا یہ کہ غالبؔ کے وسیع ذہن کا تصور آج کے ان تصورات سے ہم آہنگ ہے۔ دوسری قسم مشکوک ہے جہاں کھینچ تان کر بہ مشکل اُن تصورات کا جواز فراہم ہوسکتا ہے۔ تیسری قسم بلکل میری سمجھ سے باہر ہے۔ مجھے اعتراف ہے کہ غالبؔ کے غیر متداول اردو اشعار بھی میں نے کبھی انہماک سے نہیں پڑھے ہیں، اور اُن کی فارسی تو خال خال ہی میرے مطالعہ میں رہی ہے۔ میں عبدالماجد دریابادی کی اس بات کا قائل رہا ہوں کہ جو شعر سمجھ میں نہیں آیا، سوچا وہ میرے لیے نہیں ہے۔ طلب علم وفہم اپنی جگہ، مگر –ع– اور بھی غم ہیں زمانہ میں محبت کے سوا (فیضؔ)۔ اس لیے بہت ممکن ہے کہ محمد مستقیم کو غالبؔ کے اشعار میں، اُن کے استعاروں میں اور تحت السطور میں جو کچھ نظر آجاتا ہے مجھے نہیں آتا۔

یہ بات البتہ میں وثوق سے لکھوں گا کہ محمد سلیم کا انہماک قابلِ داد ہے اور اُن کا شعری رویہ قابل قدر۔ انہیں پڑھ کے اردو اور فارسی کے طالب علم جدید سائنس کے بہت سے تصورات اور انکشافات سے واقف ہو جائیں گے اور انہیں نئی زندگی سے قریب آنے کا حوصلہ ہوگا۔ دوسرے یہ کہ غالبؔ کے ذہن وذکا کی وسعت کا مزید اندازہ ہوگا کہ اس کی کمند میں کیا کیا آ سکتا ہے۔ تیسرے یہ کہ، اصلی یا فرضی ملا ہرمزعبدالصمد کے توسّط سے یا اُس کے علاوہ اور بعد، قدیم فارسی زبان وادب پر ایک طرف اور جدید یوروپی علوم کے عام فہم افکار پر دوسری طرف غالبؔ کے علم ومطالعہ کا تخمینہ لگایا جا سکے گا۔ یہ بات ثبوت طلب نہیں کہ غالبؔ کی زندگی میں کلکتہ ہی نہیں، لاہور اور دہلی میں سائنس پڑھائی جاتی تھی اور انکشافات و منکشفین پر اچھے خاصے تعارفی مضامین اردو میں چھپتے تھے۔ غالبؔ کو پڑھنے کا غیر معمولی شوق تھا۔ قدیم مخطوطوں سے لے کر نئی کتابوں تک جو مل جاتا منگواتے اور پڑھ کے واپس کر دیتے۔ انہوں نے کیا کچھ کھنگالا اس کی کوئی فہرست نہیں۔ ہم یہ سمجھتے رہے ہیں کہ اُن کے مطالعہ میں تصوف اور علم بدیع وعریض جیسے رائج مضامین ہی شامل تھے۔ مگر یہ بات مختتم نہیں۔

غالبؔ کے اشعار میں سائنسی معلومات پر محمد مستقیم سے پہلے بھی لوگوں نے مضامین لکھے ہیں۔ علمی حلقوں میں یہ بات بھی چھپی نہیں کہ قدیم ایران میں علمی تفتیش وتفکر کے ذخائر تھے جو تباہ ہو گئے اور جو چند در چند خزانے دبے رہ گئے ہیں وہ قدیم فارسی میں ہیں اور اکثر آتش پرستوں کی میراث ہیں۔ وقت ہے کہ تاریخ سائنس کے طلبا اس طرف توجہ دیں۔ علامہ اقبال نے اپنی عمر کی آخری

منزل میں ماہیتِ زمان پر قدیم مسلم مفکرین کے رائیں تلاش کی تھیں اور بہت سی باتوں پر سید سلیمان ندوی سے علمی خط و کتابت کی تھی۔ افسوس کہ اُن کی یہ آخری مساعی تکمیل تک نہ پہنچی اور جو مواد انہوں نے جمع کیا تھا ضائع ہو گیا۔ لیکن جو موجود ہے اور جو کچھ مل سکے اس کی تلاش اب بھی ہو سکتی ہے۔ بات بڑھتی ہے تو نہ جانے کہاں تک پہنچتی ہے۔ کوئی صاحب علم یا علمی ادارہ خلوص نیت اور بے تعصّبی سے کام کرتا جائے تو جانے کیا کچھ حاصل ہو سکتا ہے۔

میں سفارش کرتا ہوں کہ طالب علم اور غالب شناس محمد مستقیم کی کتابیں اور مضامین پڑھ کے رائے دیں۔ بحث سے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو جاتا ہے اور مستقبل کی راہیں کھلتی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اُن کی وجہ سے غالبؔ کی نثر اور شاعری میں دانش وری اور مستقبل بینی کا چھٹا بُعد کھل جائے۔

مرزا سعید الظفر چغتائی

(سبکدوش) صدر شعبۂ طبعیات

اے-ایم-یو-علی گڑھ

☆☆☆

عرضِ مترجم

غالب اردو/ فارسی ادبی منظر نامے میں ایک نابغۂ روزگار ہے۔ وہ ایک عظیم بت شکن مجدد و مفکر ہے۔ غالب کے پہلے اردو شاعری سپاٹ زمین کی شاعری تھی۔ گل و بلبل کے رسمی مضامین کا انبار تھا۔ ہوائے بوئے گل باسی تھی۔ اس میں سانس لینا سوہان روح تھا۔ غالب نے زمین صاف کی اور اس میں بید لگادی۔ بید میں لوچ ہے، مضبوطی ہے مگر نہ رنگ ہے نہ بو۔ غالب کی شہرت آسمان چھونے لگی۔ اس کا اردو دیوان اس کی زندگی میں پانچ بار چھپا مگر غالب سے پوچھیے تو وہ صرف فارسی کلام کی سفارش کرتا تھا:

فارسی بیں تا بہ بینی نقش ہائے رنگ رنگ
بگزر از مجموعۂ اردو کہ بے رنگ منست

''میرا فارسی کلام دیکھو تا کہ طرح طرح کے رنگین نقوش دیکھ سکو۔ میرے اردو دیوان سے صرفِ نظر کرو۔ اس میں میرے الوان نگار کا نمونہ نہیں''۔

الوان نگار ایک آلہ ہے جو شعاعوں کے رنگ ظاہر کرتا ہے۔ غالب کا فارسی کلام روشنی کے معجزات سے مملو ہے۔

خاکسار نے غالب کے فارسی کلام کا بغور مطالعہ کیا۔ اردو کے علاوہ انگریزی اور فارسی کے شاعروں کو ایک حد تک پڑھ چکا تھا۔ غالب میں حیرت

انگیز بات یہ ملی کہ اس کے کلیات کا خاصہ بڑا حصہ جدید سائنس کی ندرت گاہ ہے۔ مگر حیرت ہوئی کہ اس میں نوادر کا گاہک تو دور، کوئی تماشہ بین بھی نہیں۔ اس کا راستہ بھی سنسان ملا۔ دور سے ایک کجکلاہ آتا دکھائی دیا۔ نزدیک آکر وہ غالب کی شبیہ میں ڈھل گیا۔ اس کی آنکھیں بھیگی تھیں۔ پوچھا خیریت تو ہے۔ بولا، کیا خیریت رہے گی؟ سوچا تھا، سائنس فطرت کی زبان ہے، ایٹم بولتا ہے، اس کا پروانہ بولتا ہے۔ تم نے رات کے وقت آسمان میں کبھی دودھ کی کشتی دیکھی ہے؟ وہ ستاروں سے لدی کشتی ہے۔ ندرت گاہ میں زمین ہی نہیں فلک بھی ہے۔ اس میں میرے قلم کا ایک ایٹم اس کا معائنہ کرتا ملے گا۔ دیکھو میرے کلیات میں معلومات کا انقلاب سب سے پہلے آیا۔ یہ جدید سائنس کا نمائندہ ہے۔ اسی لیے میں اسے 'شاہدِ نو' کہتا ہوں۔ جب صنعتی انقلاب آیا تب تو یہاں کے لوگ سو رہے تھے۔ مجھے تشویش ہوئی کہیں معلوماتی انقلاب بھی یہاں صدا بصحرا نہ ہو جائے۔ میں نے ایٹم کے پروانوں سے منت کی کہ وہ بروقت اپنے لاؤڈ اسپیکر سے لوگوں کو جگا دیں۔ میں نے سرگوشی میں کہا۔ ریہرسل میں کوئی موجود نہیں، انقلاب کے بگل پر کہیں لوگ بھاگنے نہ لگیں۔ غالب کی آواز بھرّا گئی۔ دیکھو میاں، خدا بڑا کارساز ہے۔ یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھیں نمناک ہو گئیں اور لب سے برجستہ ایک شعر اُبل پڑا۔ ؎

ذوقیست ہمدمی بفغاں بگزرم ز رشک

خار رہت بہ پائے عزیزاں خلیدہ باد

''اس راہ پر نہ کوئی میرے آگے ہے اور نہ ساتھ۔ صرف میرا ذوق

میرا ہمدم ہے۔ میں اپنے حال پر روتا ہوا آگے بڑھ رہا ہوں۔ مجھے بھروسہ ہے خدا کی اس راہ پر اگلی نسل ضرور چلے گی۔''

غالب کو تخلیہ اور آرام کی ضرورت تھی۔ اس سے رخصت لے کر میں اس منزل پر پہنچا جہاں سے وہ روانہ ہوا تھا۔ یہ عیسوی سال ۱۸۳۱ء ہے۔ پیغام رسانی کے لیے مقررہ جگہوں پر نقارچی متعین ہیں۔ ان کے سلسلہ وار تالوں سے پیغام واصل منزل ہوتا ہے۔ اب اس کی جگہ ٹیلیگرافی آگئی۔ برقی آلات سے پیغام رسانی کا آغاز ہوا۔ کلیات کے گوشے گوشے سے ٹیلی گرافی گونج رہی ہے۔ غالب کہیں مورس کوڈ بتا رہا ہے۔ کہیں اپنے لوگوں کو ٹیلی گرافی دیکھنے کی دعوت دے رہا ہے۔ یہ زمانہ برطانوی سائنس داں مائیکل فراڈے کا شیدا ہے۔ وہ ایک لوہار کا بیٹا ہے۔ آہن گری میں باپ کا ہاتھ بٹاتا تھا۔ عمر کی چودہویں برس سے ایک مدت تک وہ جلد سازی کے کام سے وابستہ رہا۔ اس کے بعد ایک لیباریٹری میں مددگار کی حیثیت میں بحال ہوا۔ اسے کالج کی تعلیم نصیب نہیں ہوئی۔ مگر اس نے برق مقناطیسی میدان میں ایجادات کا انبار کھڑا کر دیا۔ اس نے ڈائینمو (Dynamo) اور ٹرانسفورمر (Transformer) ایجاد کئے۔ برق مقناطیسی کرنٹ کی ترسیل کا عمدہ طریقہ ایجاد کیا۔ مقناطیس سے برقی توانائی کا اخراج کیا۔ مگر برق مقناطیسی عمل (Electro-magnetic Induction) کا انکشاف ۲۰ ‌رویں صدی کے معلوماتی انقلاب کا سنگ بنیاد تھا۔ جو لوگ غالب کے سائنسی افکار پر سوالیہ نشان لگاتے ہیں وہ فراڈے کی سمت انگلی کیوں نہیں اٹھاتے؟ غالب فراڈے کو اپنا استاد سمجھتا ہے۔ غالب میں فراڈے کا پرتو دیکھیں

ے۔ پہلے فراڈے کا اہم ترین انکشاف دیکھیں۔ نوبل نواز پروفیسر عبدالسلام اپنی کتاب ''تصورات موزونی'' کے صفحہ ۶ پر فراڈے کے اس انکشاف کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''جس طرح پانی میں ڈال کر کوئی چھڑی ہلائی جائے تو سطح پر لہریں پھیل جاتی ہیں ویسے ہی ایک سرعت یافتہ برقابہ (الیکٹران) کی حرکت سے خلا میں برق مقناطیسی لہریں پیدا ہو جاتی ہیں۔ یہ لہریں میکس ول۔ فراڈے دریافت کے مطابق خبر گیر آلہ (رسیور) کے الیکٹرانوں کے ذریعہ اسی طرح گرفت میں آجاتی ہیں جیسے پانی کی لہروں کے اثر سے سطح پر تیرتا ہوا کارک کا ٹکڑا اوپر نیچے اچھلنے لگتا ہے۔ ان لہروں کی ایک بڑی مثال ریڈیائی لہریں ہیں جن پر آواز نشر کی جاتی ہے اور جن کے ذریعہ خبر گیر کے الیکٹرانوں کو نشر کنندہ کے الیکٹرانوں سے ہم آہنگ حرکت میں لایا جاتا ہے۔...... ان لہروں کو خبر گیر ریڈیو یا ٹرانسسٹر، انسانی جلد کی حساس اعصابی خلیاں، پردۂ شبکی کی جھلی یا عکس گیر پلیٹ کے چاندی کے ایٹموں کے الکٹران اور پروٹان پکڑتے ہیں۔'' (میکسویل ۱۸۳۱ء میں پیدا ہوا تھا لہٰذا جب یہ دیباچہ لکھا گیا اس وقت وہ چار سال کا بچہ تھا)۔

غالب فراڈے کا اعادہ یوں کرتا ہے:

''بزبان موجی کہ صہبا را بہ پیمانہ اندرست سرگزشت جوش خویشتن پالائی کہ در خلوت خم می زند شنیدن است و بہ نگاہِ رگِ تیشے کہ پروانۂ

مارا در بال و پر است برقِ ذوق ہستی فشانے کہ در نہاد دل دارد دیدنی'' (دیباچہ ص ۶۴)

(پیانہ کے اندر داخل کی گئی مئے کی موج کی زبان سے خُم کی تنہائی میں اس کے منتھن کی سرگزشت سنی جاسکتی ہے اور میرے پروانہ (الکٹران) کے بال و پر میں جو بجلی کی رگ ہے اس کی نگاہ سے ایٹم کے دل (نیوکلیس) کی برقی ہستی افشانی دیکھی جاسکتی ہے)۔ نیوکلیس سے الکٹران اسی قدر دور ہوتا ہے جس قدر ایک سیارہ اپنے سورج سے۔

غالب فراڈے کے زیرِ نظر انکشاف کی بنیاد پر کمپیوٹر وغیرہ کا تصور کرتا ہے۔ (دیکھیں 'غالب ایک سائنس داں'۔ ص ۷۱۔۷۲)۔

یہاں ٹی۔ وی کا تصور دیکھیں:

نہم از عید فراپیشِ نگاہ آئینہ
کاندراں آئینہ پیدائی اشیا بینند

''میں فراڈے کے انکشاف کے مطابق الکٹرانک حرکات کا اعادہ کرتے سامنے کے الکٹرانوں پر آئینہ نصب کر رہا ہوں تاکہ لوگ اس میں اشیاء کی تصویریں دیکھیں۔''

دوسری جگہ غالب فراڈے کو اپنا محسن بتا رہا ہے:

رشحِ کفِ جم می چکد از مغزِ سفالم
سیرابیٔ نطقم اثرِ فیضِ حکیم است

''جام جمشید کا چھینٹا میری مٹی کے الکٹرانوں سے ٹپک رہا ہے۔

میرے سخن کی مایہ داری ایک حکیم کے فیض کا اثر ہے۔''

برطانوی سائنس داں، جان میچل نے ۱۷۸۳ء میں غار سیاہ (بلیک ہول) کا نظریہ روائل سوسائٹی، لندن کے جریدہ میں شائع کیا۔ اس کے بموجب سورج سے تقریباً ڈھائی گنا یا اس سے بھی بڑا کوئی ستارہ جب اپنی آگ میں جل جاتا ہے تو وہ اپنے مرکز پر انتہائی حد تک منہدم ہو جاتا ہے۔ انہدام کی وجہ سے وہ نہایت النہایت عجز ہیئتی ہو جاتا ہے۔ کوئی چیز اس سے باہر نہیں نکل سکتی حتیٰ کہ روشنی بھی اس کے اندر محبوس ہو جاتی ہے۔ اور اس لئے وہ دکھائی نہیں دیتا۔ اس کی قوت کشش سے اشیاء اس کے گردشش جہات سے کھینچ کر آتی ہیں۔ غالب نے چار قصاید بلیک ہول پر لکھے ہیں۔ بلیک ہول پر لکھا ہوا اس کا قصیدہ نمبر ۲۱ مع ترجمہ میری کتاب 'غالب ایک سائنس داں' میں شامل ہے۔ بلیک ہول کے متعلق غالب کا نظریہ اس لیے بے نظیر ہے کہ اس کی نظر میں یہ اپنی قربت میں اتنے زیادہ ستارے بناتا ہے گویا وہ حلقہ خاورستان بن جاتا ہے۔ غالب کے الفاظ یہ ہیں:

''آنکہ سیہ خیمۂ لیلیٰ منشاں رابفروغ شمعہائے کافوری خاورستاں کرد''

سیہ خیمۂ لیلیٰ منشاں، سے غالب کی مراد بلیک ہولس ہیں۔ غالب کا نظریہ ہے کہ وقت مادّی حرکت کا مظہر ہے۔ بلیک ہول کے قرب میں مادّی کثافت انتہا کے قریب پہنچ جاتی ہے لہٰذا وقت بھی وہاں اسی تناسب سے سست رفتار ہو جاتا ہے۔ بلیک ہول کی کشش کے باوجود مادّی حرکت سست ہو جاتی ہے۔ لہٰذا غار سیاہ کے قرب میں موجود مادّہ کی ثقلی کشش سے ستارے بڑی

تعداد میں بنیں گے۔ ہماری کہکشاں کے مرکز میں واقع بلیک ہول کے قرب میں اسی وجہ سے تقریباً دس ہزار نئے ستارے بنے ہیں جو چندرا ایکسرے دوربین سے دیکھے گئے (دیکھیں ٹائمس آف انڈیا مورخہ ۱۵/اکتوبر ۲۰۰۵ء)۔ یہ دریافت غالب کی تصدیق ہے۔

غالب نے اپنا نظریۂ فطری ارتقاء اپنے ہم عصر سائنس داں چارلس ڈارون سے قدرے مختلف وضع کیا۔ اس کی منزل بہشت ارضی ہے۔ غالب نے اپنے قصیدہ نمبر ۶۲ میں خلا (یعنی مکان) کی زبان سے اس نظریہ کو بیان کیا ہے۔ مختصراً یہ کہ خلا کی شدتِ خم سے مادہ کی تخلیق ہوتی ہے۔ اس سے نباتات نمودار ہوتے ہیں، نباتات کی پشت پر حیوانات پیدا ہوتے ہیں۔ حیوان سے انسان رونما ہوتا ہے۔ حس ارتقاء کا زینہ چڑھ کر سائنس بنتی ہے۔ نیوٹن جیسے سائنس داں بڑی تعداد میں پیدا ہوتے ہیں۔ خلق خدا خوشحال و فارغ البال ہوتی ہے۔ دنیا بہشت زریں بن جاتی ہے۔ نیوٹن کے آفاقی ثقلی کشش کے اصول پر انسان زمینی گرفت پر قدرت حاصل کر کے افلاک کی کاشت پر جانے لگتا ہے۔ غالب کا پیغام عیاں ہے۔

غالب نے الکٹران پر بہت کچھ لکھا ہے۔ یہ الکٹرونک عہد ہے۔ تقریباً دنیا ہر شعبۂ حیات میں کمپیوٹر حاوی ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ۱۸۹۵ء میں برطانوی سائنس داں جے۔ جے تھامسن نے الکٹران کا انکشاف کیا تھا۔ بھلا غالب اسے کیسے جانتا تھا؟ غالب کو الکٹران کا سراغ روشنی کے طیوف سے حاصل ہوا۔ سائنس داں اس علم کے ذریعہ ایٹم کی ساخت کا اندازہ کر چکے تھے۔ غالب

طیف شناس تھا۔ طیف نگار (غالب کی زبان میں الواں نگار) سے وہ واقف تھا۔ طیف اپنے گزرگاہ کا نقش رکھتا ہے۔ غالب کے عہد میں یہ اعشاریہ کے آٹھویں عدد تک معلومات فراہم کرسکتا تھا۔ اعشاریہ کا آٹھواں عدد ایک سینٹی میٹر کا دس کروڑواں حصہ ہے۔ یہی حد ایٹم کی ہیئت ہے۔ انیسویں صدی کی دوسری دہائی سے طیف کے ذریعہ ایٹموں کی پہچان ہونے لگی تھی (دیکھیں کتاب اولین تین منٹ، کے ص ص ۲۲۔۲۳)۔ بہت ممکن ہے کہ غالب نے طیف سے متعلق علم دلی کالج کے شعبۂ سائنس کے اساتذۂ کرام سے حاصل کیا ہو۔ غالب کے دیباچہ سے عیاں ہے کہ ایٹموں کے طیف سے نیوکلیس اور الکٹران کا بہت حد تک معقول اندازہ کیا جاسکتا تھا۔ ایٹم جس موج طولی (Wave-length) کا نورہ جذب کرتا ہے وہ طیف سے معلوم ہوجاتا ہے۔ اگر وہ نورہ سابق موج طولی میں ایٹم سے خارج ہوتا ہے تو اس سے واضح ہے کہ ایٹم میں الکٹران موجود ہے ورنہ اس کی غیر موجودگی میں برقی چارج کی وجہ سے اس کا موج طولی دراز ہوگیا ہوتا۔ الکٹران کی موجودگی سے ایٹم نیوٹرل ہوجاتا ہے۔ الکٹران ایٹم کے گرد مختلف اونچائی کے مداروں میں گردش کرتا ہے۔ یہ بات خارج نوروں کے موج طولوں سے واضح ہوجاتی ہے۔ غالب نے نیوکلیس اور الکٹران کے متعلق اور بھی حقائق بیان کیے ہیں جو اس کے دیباچے میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ انہیں حقائق کی بنیاد پر غالب نے ایٹم کے ڈھانچے کے متعلق ایک رباعی لکھی ہے جو ترجمہ کے صراحت نمبر۲ کے ساتھ ہے۔ طیف کی صحت نو کی اعشاریہ کے چودھویں عدد یعنی الکٹران کے دسویں حصہ تک نیچے اتارنے کے لیے ۲۰۰۵ء کا نوبل انعام

فاضل سائنس دانان جے۔گلو بر اور جے ہال کو دینے کا اعلان ہوا ہے۔اس حد تک طیوف کی صحت نو کی کے سبب نظام شمسی سے باہر کے سیاروں کے چاندوں کے حقائق معلوم ہو سکے ہیں۔طیف کے ان معجزات کو سائنسی دنیا تسلیم کرتی ہے۔غالب طیف کی بنیاد پر نیوکلیس اور الکٹران کے وجود کا قائل ہے۔اس لیے اس پر شک کرنا اس کے ساتھ ناانصافی ہے۔

ٹیلی گرافی کے علاوہ ، مغرب کی دخانی کشتیوں ، دخانی کاروں وغیرہ جیسی اعلیٰ تکنیکی مشینوں کی کارکردگی کا کوئی جواب مشرق کے پاس نہیں تھا۔لندن کی راتیں برقی قمقموں کی روشنی سے دن کی طرح منور تھیں۔مگر مشرق چاندنی پر منحصر تھا۔ایسی صورت حال کے پیش نظر غالب کے سامنے سائنس کی تعلیم کی طرف لوگوں کو راغب کرنے کے سوا چارۂ کار کیا تھا؟

دلی کالج ۱۸۲۷ء میں قائم ہوا۔ ماسٹر رام چندر اور ان کے دیگر رفقائے کار اس میں سائنس پڑھانے کے کام پر مامور ہوئے۔سائنس کی نصابی و غیر نصابی کتابیں انگریزی سے اردو میں بڑی تعداد میں ترجمہ ہوئیں۔سائنسی اور دیگر موضوعات پر مضامین کی اشاعت کے لیے تین رسالے اردو زبان میں جاری ہوئے۔کالج کا یہ کام غالب کے منصوبے میں سازگار تھا۔چونکہ اس عہد میں امراء و فضلاء کی زبان فارسی تھی اور عوام پر ان کا رسوخ تھا لہٰذا غالب نے فارسی نظم و نثر کو اپنے سائنسی افکار کا مخزن بنایا۔

غالب کے کلیات کا سب سے بڑا المیہ یہ رہا کہ اس کی کلید یعنی دیباچہ (سال طباعت ۱۸۴۷ء) بہت کم لوگوں نے پڑھا اور سمجھنے والے خال خال

رہے۔ غالب کا تمثیلی انداز بیان غالباً اس کی تفہیم کا سب سے بڑا سد باب تھا۔ علاوہ ازیں جس طرح کوئی نقاش اپنے ماڈل کو سامنے بٹھا کر اس کا نقش اتارتا ہے اسی طرح غالب نے اپنے سائنسی تصورات اپنے کلام میں حقیقت کی طرح پیش کیا۔ جو چیز دیکھی سنی نہیں گئی اسے سمجھے کون؟ لہٰذا غالب کا یہ عظیم شاہکار تغافل کا شکار رہا۔ اس کا خمیازہ یہ ہوا کہ ہم سائنس و تکنیک میں جاپان سے قریب ایک فصل پیچھے ہیں جو بہت بعد میں سائنس کی طرف چلکر آج دنیا کی اگلی صف میں ہے۔

نوبل نواز سائنس داں، ایس چندر شیکھر نے مشہور سائنسی نابغہ نیوٹن کی کتاب پرنسپیا(Principia) کا ترجمہ تقریباً تین سو سال بعد گذشتہ صدی کے آخر میں کیا۔ اس کی نظر میں نیوٹن جیسا شخص ابدی معنویت کا حامل ہوتا ہے۔

غالب کا دیباچہ اپنی اشاعت کے ایک سو اڑسٹھ سال بعد خدا کی مہربانی سے آج مشرف بہ ترجمہ ہوا۔ سائنس تجسس لامتناہی ہے۔ لہٰذا غالب کے دیباچے کی معنویت پہلے سے کہیں زیادہ ہے۔ والسلام والرحمہ

حاصل عمر نثارِ رہِ یارے کردم
شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

محمد مستقیم

سپاس نامہ

اس دیباچہ کے ترجمہ وصراحت میں کئی عظیم المرتبت عالموں کے گرانقدر مشورے اور تعاون میرے بڑے کام آئے۔ میں تہہ دل سے ان کا شکر گزار ہوں۔ ان کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:

۱۔ پروفیسر مرزا سعید الظفر صاحب چغتائی، سبکدوش صدر، شعبہ علم طبیعیات، اے-ایم-یو-علی گڑھ۔ غالب کو طیف شناسی سے شغف تھا۔ پروفیسر چغتائی اس فن کے چند ماہرین اکابر میں شمار ہوتے ہیں۔ انہیں پروفیسر بینگت ایدلین (Bengt Edlen) خاتم علم طیوف، یونیورسٹی آف لُند (سویڈن) کا شاگرد رشید ہونے کا فخر و امتیاز حاصل ہے۔ آپ نے اپنی مترجمہ کتاب ''تصورات موزونی'' از عبدالسلام (نوبل نواز) عنایت فرمائی۔

۲۔ ڈاکٹر محمد حبیب الحق، سبکدوش پروفیسر، شعبۂ طبیعیات، اے۔ ایم۔ یو

۳۔ ڈاکٹر محمد سجاد اطہر پروفیسر، شعبۂ طبیعیات، اے۔ ایم۔ یو

۴۔ پروفیسر فرخ جلالی، سبکدوش پروفیسر، شعبۂ تواریخ، اے۔ ایم۔ یو

۵۔ ڈاکٹر محمد پرویز، پروفیسر، شعبۂ تواریخ، اے۔ ایم۔ یو

۶۔ انچارج شعبۂ علوم شرقیہ، مولانا آزاد لائبریری، اے۔ ایم۔ یو

۷۔ انچارج سیمینار، شعبہ جات فارسی وفلسفہ، اے۔ ایم۔ یو

ان مہربانوں کے تعاون کے بغیر چند ہفتوں میں اس کام کو مکمل کرنا ممکن نہ تھا۔

محمد مستقیم
مترجم

غالب کے کلیات فارسی نظم کے دیباچے کا اردو ترجمہ مع صراحت

میں خدائے یگانہ کا اس کی عطا کردہ زبان سے شکر گزار ہوں۔ گرچہ میرے جیسے شخص کو جو خزف (یعنی فطرت) کی زبان نہیں جانتا اس کی شکر گزاری کا کیا مقدور! یہ سب اس کی کرامت کا کرشمہ ہے کہ اس شاہدِ نو کے رخ سے پردہ اٹھا جسے خرد اپنا پہلا دیوان کہتی ہے اور جو میری ہتھیلی پر رونما ہے۔ دیگر جلوہ کی آرزو ہے مگر اس کا بے رنگ حصہ ابھی ادراک کے صفحہ پر منقش نہیں۔ لہٰذا (اس کی تفہیم کی سعی میں) سر سے آئینہ چپکا رکھا ہے۔[1]

اے خدائے مہرباں! تفہیم فطرت کی ناکامی کا درد کہیں دل کو اس قدر نہ توڑ ڈالے کہ میں اپنا جسم کسی زبون در پر دھر ڈالوں اور خود پر یہ منت نہ رکھوں کہ یارب میری فوت کے بعد میرے ایئم کو سخن پیاسوئی کا جزو بنانا تا کہ وہ سخن کی عظیم عمارت تک پہنچ کر جان لے کہ اس کا پایہ کس قدر بلند ہے اور اس فرازستان کی کس چوٹی سے میرے خیال کا سرشتہ بندھا ہے۔[2] فرد (ترجمہ) صرف میرا ذوق میرا ہمدم ہے۔ میں رشک کے بجائے فغاں کے ساتھ گزر رہا ہوں۔ اے کاش! ترے راستے کا کانٹا عزیزوں کے تلووں میں چبھے۔

اللہ کا واسطہ دیکر کہتا ہوں کہ یہ پہلی نقاب ہے جو ہفت کرئی معنی والے شاہد کے رخ سے نسیم کی جنبش سے اٹھی ہے یعنی یہ کسی ہاتھ کے کھینچ تان کی مرہونِ

منت نہیں۔ اس کے بعد ادھ جلے چراغوں کے زمرے کا ایک چراغ ہے جس کا پہلو رخ بناخس کی منت اٹھائے روشن رہتا ہے۔[3]

یہ جنون کے پرانے داغ (ایٹم) ہیں جنہیں سراسر تنفس کے شوخ ناخن سے خراشا گیا ہے۔ کاغذی پیرہن والے (کمزور نیوکلیائی حصار والے) ایٹموں کے ناسور سے ناگہاں ان کے دل کا خونناب اور تابش نکلنے لگتی ہے۔[4] متاثرہ ایٹم حیرت واقعہ سے تصویر کی طرح خاموش رہتے ہیں۔ ان کے کارپرداز (الکٹران) جو اپنی ہتھیلیوں پر مشعل لیے ہوتے ہیں نیوکلیس کے دھویں سے سیہ پوش ہو جاتے ہیں۔

روشنی کے قلزم آشاموں کو بادہ ریزی کے صلہ کی دستیابی کے سبب پہچان لو، کیوں کہ یہی میکدہ کے خسرو ہیں جو میکدہ کا در انجمن کے روبرو کھولے ہوئے ہیں۔[5]

خوشی کے گیت گانے والوں کو سنگیت کے آبشاروں کی دمسازی کی خوش خبری سے نوازو کیوں کہ یہ نغموں کا ایسا اسٹیج ہے جس کا ساز موسیقار کے بال سے بنا ہے۔[6]

الگ الگ مثبت اور منفی برقی چارج والے اندھیرے کے سلطان ہیں وہ باہم مل کر تیز چمک پیدا کرتے ہیں جس سے انجمن آرائی کی سرگرمی بے حد سریع ہو جاتی ہے۔[7]

اجزائے خاکستر اپنی منفرد آنکھ مچولی اور چمک کی بدولت اندوہ کے ہنگامے سے اپنی الگ پہچان بناتے ہیں (ہر عنصر کے ایٹم کی پہچان اس کے

نوری طیف یا نغموں کی لَے سے ممکن ہے)۔

پیغام رسانی کا سلطانی آلہ (ٹیلی گراف) پیغام کو متعین برقی جنبشوں میں روانہ کرتا ہے۔ اس پر آفتابی ذرات کا شور بھی اثر انداز ہوتا ہے۔ پھر بھی اس اضمحلال سے بے ضرر داستانگو جنبشیں نکل آتی ہیں۔

مادّہ یا توانائی کیا ہے؟ میں نہیں کہتا کہ خاک ہے یا چراغ، لالہ ہے یا داغ۔ یہ سوختگی کے مرحلے ہیں، وہ خستگی کے مناظر۔ میں نہیں کہتا کہ تجلّی وطور ہے یا جنت وحور۔ پھر بھی اِس کے ناز کا ایک میدان ہے اُوراس کے آرام کی ایک جگہ۔

زردشت کے بازبستۂ خیال کے مطابق یہ طلسم شعلہ و دود ہے۔ شعلہ روپوش ہے اور دود ظاہر۔ دل جادو کی تختی ہے اور زبان جادو کا منتر۔[8]

بادل اُمڈے ہوئے ہیں۔ آندھی چل رہی ہے۔ فکر کا جادو ابر گہر بار ہے اور آندھی الماس فشاں۔ اندیشہ عجوبوں کا انبار کھڑا کیے ہوئے ہے اور ہونٹ منتر پڑھ رہے ہیں۔ غزالوں کے جھنڈ ہیں جو شکارگاہ میں جنبش کا اشارہ دیکھتے ہی دام سے باہر چھلانگ لگا دیتے ہیں۔[9]

مادّہ شعلہ کے پیچ وتاب سے بنا کباب ہے جو ایٹم کے نیوکلیس میں موجود ہے اور ہوا میں معلق۔[10]

حسن اپنی نمائش کے درپردہ خالق حسن کا مدح نگار ہے۔ یہ ایک ایسا نخل ہے جو اپنی برو بندی کے پس پشت نخل کارِ ازل کا ممنون ہے۔ مثنوی (ترجمہ)۔[11]

۱۔ اے چھپا کر بخشش دینے والے، اے ظاہر اعزت دینے والے، دل کو غم سے اور تن کو جان سے عظمت بخش۔

۲۔ پتھر کے دل میں جو تیرا شرر ہے وہی لعل کے رخ پر جلوۂ رنگ ہے۔

۳۔ تو زمین پر بیٹھنے والوں کا بستر ہے۔ تو ہی باریک بینوں کا مشام ہے۔

۴۔ اے نئے غزال کی رگ سے خوشبو پھیلانے والے اور اے نسیم صبح کے جھونکوں سے خوشبوؤں کے سیل بکھیرنے والے۔

۵۔ اے شاہد ذات کے رخ پر نقاب صفات کے عنبریں طرہ ڈالنے والے۔

۶۔ اے تُو کہ تیرے چاند کی چمک سے زمین کی رونق ہے اور کالی زمیں زُہرہ بداماں ہے۔

۷۔ اے تُو کہ افلاک تیرے سمندر کے بلبلے ہیں اور زمیں تیرے بادۂ خُم کی تلچھٹ ہے۔

۸۔ تیرے خُم کی شراب کی بدولت دنیا میں مغاں کا مقام ہے اور تیری شراب کی گادھ سے سہیلوں کا چھڑکاؤ ہوتا ہے۔

۹۔ تجھ سے ہی خوبصورتی اور بدصورتی ہے۔ تو ہی کعبہ و کنشت کی رونق ہے۔

۱۰۔ تو نے بہتیرے دلنشیں نقوش ابھارے ہیں۔ دہر کی ہر چیز تیری پیدا کی ہوئی ہے۔

۱۱۔ میری آنکھوں سے تیرا ہی خون بہتا ہے۔ مرے نالہ میں تیری ہی بجلی کا پنکھ لگا ہے۔

۱۲۔ اے کہ تو نے مجھے شوکت شاہانہ عطا کی ہے اور میرے ذریعہ فارسی کی تجدید کی ہے۔

۱۳۔ میں بھی عجز تن کا مارا ہوا ہوں۔ میں تیری بدولت اپنی مدح کر رہا ہوں۔

۱۴۔ ناتوانی کی بنیاد مضبوط ہے۔ خودنمائی خداشناسی ہے۔

زبان پیدا کرنے والے اور دنیا سنوارنے والے خدا کی مدح کرتا ہوں جس نے میرے ضمیر کی تہہ تک معنی کے رنگارنگ لعل و گہر بھر دیئے۔ میرے ہاتھوں کے ترازو کو موتی تولنے کے اور میرے قلم کو گہر پاشی کے فراواں مواقع عطا کیے جنہیں رائیگاں کرنے والا اور جن کا احسان بھولنے والا میں ہوں۔ میں معنی کے گوہر بنانے والے سخن نواز داور پر ناز کرتا ہوں کہ اس نے میرے ارفع کلام کی بے حرمتی داد کی کھینچائی میں دیکھی تو انتہائی مہربانی، شایاں طریق کار اور پوشیدہ سلوکِ زیبا کے ساتھ مجھے اپنے کلام کے مقبول خلق ہونے کے ذائقہ سے بے نیاز کردیا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی کورمغزی کی وجہ سے بلند حوصلہ مقاصد انجام دینے والے شخص کے دشمن ہیں۔ ساتھ ہی وہ میری پاکی گوہر منتخب کرنے والے کے دشمن ہیں کیونکہ میرے گوہر کو ہمچشمی کا داغ نہیں لگا۔ ظاہر ہے یکتائی خدا کے سوا کسی کو زیبا نہیں۔ بے شک اس نے میرے مژہ کو جس قدر خوں فشاں بنایا اسی قدر میری زباں کو داستاں گوئی کا ملکہ عطا کیا۔

خدائے یگانہ، داور دانا اور رحمت حوصلہ نے خلقت کو میرے غم و اندوہ کی غمخواری کے لیے کوئی گنجائش مرحمت نہیں کی۔ وہ جانتا ہے کہ رنجور کو تیمار کے سوا چین نہیں۔ بہرحال میرے دل کو اس نے مصیبت کے درد سے نکالا۔ خدائے مہربان و توانا کی ثنا کرتا ہوں جس کی ہوا کی سانس میرے سینہ میں بے تاب اور شعلہ فشاں ہے۔ اس کی ثنا میں میری فطری تحریر کی بہار اندام شادابی گویا سات دوزخوں کے گداز میں غوطہ خوار ایک ایسی وادی ہے جو آٹھ گلزاروں کے رموز

سے پردہ کھینچ رہی ہے۔[11]

میری زبان پر فہم آزما زمزمہ اسی کی ودیعت ہے جس کے سماع کی ذوق بخش نشاط کے لیے زہرہ آسمان سے اترتی ہے۔

وہ ہوش ربا جنبش جو اپنی کرشمہ ریزی اور انگریز ادائی کے لحاظ سے حوران طوبیٰ نشیں کو تفویض ہے میرے قلم کی نے کو اسی نے عطا کی ہے۔[12]

فرد (ترجمہ)

جمشید کے پیالے کا رشحہ میری خاک کے الیکٹران سے ٹپک رہا ہے۔
ایک حکیم کے فیض سے میرا نطق سیراب ہے۔

(یہ حکیم برطانوی سائنس داں فراڈے Faraday ہے۔ دیکھیں صراحت نمبر ۳۰)

میری تعمیر میں سلیمانی عقیدت کے دلربا تار و پود ہیں[14]۔ اور انسانوں کے دل و زبان پر فرزانگی کی حکمرانی کے لیے محمد ﷺ کے نعلین کو گلے سے لٹکائے رکھنا میرا کیش و آئین ہے اور اسد اللہ الغالب کا والا مرتبت طغرا میرا نقش نگیں۔

سرمدی میخانہ کے خم کی گادھ سے منسوب کوئی چیز نہیں چکھنے والے سوال کرتے ہیں کہ ہیچمدان کو سیرابیٔ نطق کہاں سے حاصل ہوئی؟ انہیں نہیں معلوم کہ نم، فیض کا چھینٹا ہے جو سبزہ کو اگنا، پودے کو پروان چڑھنا، پھل کو پکنا اور لب کو زمزمہ آفرینی سکھاتا ہے۔ ازلی مہتاب کے پرتو میں جنہوں نے سفر نہیں کیا ہے وہ سوچتے ہیں کہ اس تیرہ سرانجام کے کلام میں اس قدر روشن خیالی کیوں ہے؟ انہیں خبر نہیں کہ تابش کا ذرہ ایک نور ہے جو شمع کو شعلہ سے، قدح کو بادہ سے، گل کو رنگ سے اور دل کو سخن سے روشن کرتا ہے۔ یہ وہ ذرہ ہے جو لیلیٰ منشاں (غار

ہائے سیاہ یعنی بلیک ہولس) کے کالے خیموں کو کافوری شمعوں کے فروغ سے

خاورستان کرتا ہے۔ [۱۵]

وہ مجنوں روشوں کی وادی کو جگنوؤں کے ہجوم سے چراغاں کا سماں عطا

کرتا ہے [۱۶]۔ پشۂ نخل آرزو سے مراد وہ ایٹم ہے جو رنگین شعاع جذب کرتا

ہے۔ قارون وہ ایٹم ہے جو رنگین یا غیر رنگین شعاعوں میں فرق نہیں کرتا۔ قارون

کے الکٹران کے ذریعہ خارج نورہ کے رنگین ریشے سے اس کا شائق ایٹم اپنی

پیاس بجھاتا ہے۔

دو منھے قلم سے لکھنے والے بے سُروں کی لعل و گہر ایثار کرنے کی فراخ

دلی اصحابِ اقتدار کے خزانہ گھروں کی سمائی مٹا دیتی ہے۔ [۱۷]

معنی نگاروں کی قدرت کی فراوانی دیکھو، نشریاتی مرکزوں کے نغمات

و پیغامات کے عوامی ریڈیائی نشریے خدا پرستوں کے نامۂ اعمال ہیں۔ (خدا

پرست یعنی سائنسداں)

افراد کے حرص و ہوا سے منسوب طرح طرح کے نجی مواصلاتی آلات

جنگل کا سا نظارہ پیش کرتے ہیں۔ فرد (ترجمہ)

ہر دل دوست کی طرح عمل کر کے اس کا سپاس گزار ہو گیا ہے بفرضیکہ

اس کی نیت بری نہ ہو۔

تھکے پاؤں مسافر کے لیے خار (الکٹران) کا سایہ مکان کی بنیاد ڈالتا

ہے۔ پڑوسی مکان کا دروازہ بھی اس کے استقبال میں کھلتا ہے اور وہ ایک تپے

ہوئے جزو خاک سے رات کے چراغ کی لو بن جاتا ہے۔ [۱۸]

آنسوؤں کے سیل جو ماتمیوں کے چہروں پر بہتے ہیں وہ دیار غم میں درد پھیلانے کے فرمان پر کاربند ہیں۔ [۱۹]

جن نیوکلیسوں کے دامان آزادوں کی نقب زنی سے چھلنی ہو گئے ہیں وہ خوشحالی کی ریاست کے سلطان کو وقعت عنایت کرتے ہیں [۲۰]۔ بڑے اجرام کے رخ پر ان کی درخشانی نمایاں ہوتی ہے [۲۱]۔ ان کے سرمایہ سے جو چلو بھر خون بنتا ہے وہ اگر شریانی میں گرما گرم دوڑتا ہے تو ہم مژہ سے بکھیرتے ہیں اور اگر رنگ بنتا ہے تو لگاتار اسے دھارا سے ہٹاتے ہیں [۲۲]۔

جو آرائش جمال کے لیے اطلس وسنجاب (تابکار ایٹموں کے ریشوں سے بنے ملبوسات) پہنتے ہیں وہ اپنے جسموں کو نقصان پہنچاتے ہیں [۲۳]۔ ہم (غیر تابکار ایٹم) بدن سے کمزور ہیں لہٰذا زیادہ چمکیلے نہیں اور ہمارے دل نازک ہیں لہٰذا ہم تنگ قبا برداشت نہیں کر سکتے۔ طیف نگار (Spectrograph) کے ذریعہ لطیف اور ننھے ٹکڑوں تک رسائی ہر دیدہ ور کے بس کی بات نہیں۔ نزاکت و مہارت فنی کے ذریعہ مہتاب کے کتان تک ہر اداشناس نہیں پہنچ سکتا [۲۴]۔ اگر ذرہ برہنہ ہو کر آفتاب کی طرح ضوفشاں ہوتا ہے تو دوش پر زریں چادر آراستہ کرنے والوں کو کیوں رشک ہو۔ (اول الذکر تابکار ایٹم ہے دوسرا غیر تابکار۔ الیکٹران اِس کے کاندھے پر طیلسان کی طرح پیراستہ رہتا ہے) اگر ویرانہ یعنی الیکٹران مہجور نیوکلیس اپنی پیاس کی شدت مٹانے کے لیے ماہتاب نوش کرے یعنی الیکٹران کی منفی برقی چارج کے لیے اسے اپنا حلقہ گرد بنا لے تو مطمئن نیوکلیس کے الیکٹران کو کیا تردد؟

کوتہ نظروں اور تنگ چشموں سے مجھے بہت دکھ پہنچتا ہے کیونکہ انہیں تنکے جیسے تار سے بلب روشن ہونے اور اندھیری رات میں بجلی کی ضیا باری میں کچھ قابل توجہ نہیں اور ایسے لوگ معتبر باتیں کہنے والی زبانوں کی جنبش کو رذیل مانتے ہیں۔ [25]

غنچہ خوشبو بکھیرتا ہے۔ نسیم خوشبو پھیلاتی ہے، پھول کھلتا ہے، بلبل نوا سنج ہے۔ زبان کا کیا گناہ ہے کہ وہ سخن سرا نہ ہو؟۔ سورج ضیا بار ہے، ذرّہ بیتاب ہے، سمندر رواں ہے اور قطرہ مضبوط ہے، [26] دل کو کس نے کہا کہ شورش سے باز آئے؟ یہ سب اسی قسم کی باتیں ہیں جیسا کہ یہ کہنا کہ خمخانۂ توفیق میں بادہ اسی قدر تھا کہ جس سے پرانے بادہ نوشوں کے دماغ تر ہوئے۔ اب تو بزم سخن کی بساط لپیٹی جا چکی ہے، جام و سبو باہم ٹکرا کر ٹوٹ چکے ہیں اور مے کے سمندر کا ایک روا بھی کسی جگہ دستیاب نہیں۔ کاش جس انجمن کے نچلے در کو جھٹک کر میں نے اوباشوں کے حلقہ میں پیالہ پکڑ رکھا ہے، وہ اس پستی میں اتر کر دیکھیں کہ مے فراواں ہے، ساقی بے حد فراخ دل ہے، پیانے جرعہ پر جرعہ لنڈھا رہے ہیں اور پیاسے ہونٹ ہانک لگا رہے ہیں، اللہ کے لیے ایک موتی کا سوال ہے۔

بیت (ترجمہ)

ابھی وہ ابر رحمت دُرفشاں ہے۔ شراب کی بوتل پر مہر ہے اور میخانہ پر جھنڈا لہرا رہا ہے۔

ارے ہاں میرے زمانے میں شرابِ سخن کہنگی سے تیز اور پُر زور ہو گئی ہے۔ جو تاریک سوچ والے ہیں ان کے مقدر میں سپیدۂ سحری کے فروغ کا وافر

حصہ ہے۔

جو گذر چکے ہیں وہ فارغ البال مستی میں اونگھے ہوئے ہیں اور میں مستی سے خراب حال ہوں۔ اگلے چراغ تھے اور میں آفتاب ہوں۔

عرفی کی شوکت کے گیت مت گاؤ کہ وہ شیرازی تھا۔ زلالی کے گرفتار مت بنو کہ وہ خوانساری تھا۔ میرے خیالوں کے سومناتھ میں آکر دیکھو کہ اپنے کاندھے کو روح پرور زنار سے سجا رکھا ہے۔

قلم (ایٹم) افکار کے ناپیدا کنار سرچشموں کو ہر طرح تھاہ چکا ہے [۲۷]۔ ہم اسے زمانہ سے کٹا ہوا پاتے ہیں [۲۸] اس نے لؤلؤ خیز گردابوں کو ناپ لیا ہے۔ صدف نما گردابوں کے گوہر نما ستاروں کے درمیان اسکی آمد و رفت اتنی زیادہ رہی گویا وہ سورج کی کوئی کرن ہو جو شبستاں (سیاروں کی محفل) سے چل کر انہیں پرونے آئی ہو [۲۹]۔

ورق (دھرتی) بادۂ سخن کی پیائش کا پیالہ ہے۔ میں (ایٹم) شاداب بادۂ ناب کا انتخاب کر رہا تھا کہ پیالہ نے اس کا ایک رشحہ اٹھالیا۔ لہٰذا اس پر نشۂ خضری کی کیفیت طاری ہوگئی۔ گویا (آسمانی) چمن دھرتی کی اپج ہے دھرتی جوق در جوق اپنے سپوتوں کو سرحد پار روانہ کرنے لگی (یہ رسول اللہ ﷺ کی سنت جو ہے) دل دین کے نور سے منور ہوگیا۔

واپس ہوکر میں پھر اپنی خرشوری (رینک) میں مبتلا ہوگیا۔ اگر کہوں کہ گزشتگاں کے نقش قدم پر چلنے میں کچھ حرج نہیں تو کس بات کا حرج؟ آموختہ پڑھنا میرا پہلا دستور ہے۔ اگر میں الاپوں کہ اپنے فن کے شیوہ نگاروں میں

افضل ہوں تو سوچنے کی کوئی بات نہیں۔ سوچنے کی کون سی بات ؟ خدائی دستر خوان کی طرح اپنی جھوٹی تعریف کے لیے مجمع جٹانا اور داد و دہش کے اعداد و شمار کا اشتہار کرنا اپنے حق میں ذوق سپاس کی افزائش کرنی ہے۔

تکلف برطرف میری کوشش نہ منعم پرستی میں ہے اور نہ خود فروشی میں۔ ایک منزلت و آہنگ سے نعت و منقبت کی خوش الحانی کرتا ہوں جو تولا میں سبز در سبز ہوتا ہے۔ نہ جادہ پیمائی میں میرے قدم تعصب سے اٹھتے ہیں اور نہ بے راہ روی میں۔ قطعہ (ترجمہ)

۱۔ میں ایسا نہیں کہ اپنے عقیدہ کے پیشِ نظر کسی کو اس کے جادو ٹونے کے لیے نقصان پہچاؤں۔

۲۔ مجھ میں اتنی اہلیت نہیں کہ وعظ و نصیحت سے دنیا کو خدا شناس کروں۔

۳۔ ایسا بھی نہیں کہ بہت پرانی خبروں کو بڑے افسانے قیاس کروں۔

۴۔ ایسا بھی نہیں کہ جو کچھ مشہور ہے اس سے تازہ اثر اخذ کروں۔

۵۔ ایسا بھی نہیں کہ بہشت کے ملبوسات کے لیے اپنے لباس کی آرائش ترک کر دوں۔

۶۔ ایسا بھی نہیں کہ خوش حالی کے عالم میں موٹے کپڑوں سے پرہیز کروں۔

۷۔ میں نہ ساقی ہوں نہ محتسب، نہ میں شراب پھینکتا ہوں نہ اس کا روزگار کرتا ہوں۔

۸۔ نہ میں واجب سعی میں تھکتا ہوں اور نہ مطالبے کے معاملے میں ٹال مٹول کرتا ہوں۔

۹۔ اگر بڑے مدار پر اپنا مدار رکھوں تو الفت کے محل کو قوی اساس کروں۔

۱۰۔ لیکن مجھے گفتار میں لالہ سورداس کی مدحت کرنی نہیں آتی۔

۱۱۔ مجھے اپنی ستائش کا ایک باب پڑھنا ہے ورنہ لب کا احترام بے معنی ہو جائے گا۔

۱۲۔ میری خوشنوائی، رشک سے نواس کے باپ کے جام میں زہر گھولتی ہے۔

۱۳۔ اگر اپنے حواس تھوڑا جمع کر لوں تو نظامی سے پنجہ ملا سکتا ہوں۔

۱۴۔ میری طبیعت کا گھوڑا اس قدر تیز رفتار ہے کہ بال پری یعنی روشنی کو مات کر دے۔

۱۵۔ گھاس کی مہربانی سے میری فصل (نسل انسانی) کی نشو ونما ہوئی۔ درانتی کو حور کا ناخن دیتا ہوں (کیونکہ اس کی کارکردگی بڑھانی ہے)۔

۱۶۔ جس پودے کو میں لگاتا ہوں وہ سرو کی طرح خزاں کے غم سے آزاد رہے گا۔

۱۷۔ کوثر اپنی موج کی آغوش کھول دے اگر میں تخلیہ کا اشارہ کروں۔

۱۸۔ اس ادا نشناس فرقے سے میں کیسے نپٹوں؟ کیا مایوسی سے خودکشی کر لوں؟

۱۹۔ کیا حزیں کی دو بیتی لکھ کر صفحہ کو ایاز کا طرہ بنا ڈالوں؟

۲۰۔ زمانہ میں کوئی مدح کے لائق نہیں۔ لہٰذا میں اپنی ہی مدح کر رہا ہوں۔

۲۱۔ کوئی میری زبان نہیں سمجھتا۔ میں عزیزوں سے کیا منت کروں!۔

اگر سرو اپنی نشو ونما کی تلافی میں اپنا سر ابر کے پاؤں پر پھیلائے اور اگر ابر اپنے سرمایہ کے سپاس میں دریا کے چہرے پر موتی چھڑکے تو اہل نظر پہچانتے ہیں کہ ابر کا پہلو سرو کو گستاخ بناتا ہے اور ابر کی فراخدستی کا سبب دریا کا خزانہ ہے۔ اے سہیل و زہرہ کی روشنی میں خوشدلی و بشاشت سے چلنے والو، اے احسان کے معنی نہیں سمجھنے والو میری کوتاہی برداشت کر دیا درازی درگزر کرو،

ڈینگ قابل قبول نہیں۔ دانش و داد کا ایک راستہ اختیار کرو۔ میں ہر طرح کی باطنی جستجو کی کسرت کرتا ہوں اور عطر دانی سے نکلی بوئے گل کے ہمہ جہت پھیلاؤ کی جانچ جس طرح گردش پرکار جیسے دوڑتے کانٹے سے کرتے ہیں اسی طرح میں سخن کو کانٹے سے جانچتا ہوں۔ یہ خود سے پوچھو کہ ہر طرح کی گزارش کی روح پہچاننے کا رمز دانائی کا کیسا کمال چاہتا ہے اور اسلوب نگارش کی بنیاد ڈالنے والے کا اسلوب پر کتنا بڑا حق ہے؟ اس کے حق کی وسعت مبادیات اسلوب سے لے کر اس کے کمال تک دراز ہے[29]۔ جب تک دو اسلوبوں کے بجائے ایک اسلوب کا نقش وجود میں نہیں آتا تب تک ناہموار طور طریقوں کے عالم میں صاف اور قابل فہم صوتی نشانات کے استعمال میں کوئی حرج نہیں۔

صہبا کی موج کی زبان سے جو پیمانہ کے اندر ہے خم کے خلوت کدہ میں اس کے منتھن کی سرگزشت سنی جا سکتی ہے اور ہمارے پروانہ (الیکٹران) کے بال و پر کی رگ تپش کی نگاہ سے نیوکلیس کی ہس افشانی دیکھی جا سکتی ہے[30]۔ لہٰذا متقدمین کی انتہائی آرزو متاخرین کی ابتدائی آبرو ہے۔ شیخ علی حزیں نغمہ خواں ہیں۔ زمزمہ (ترجمہ)

صدق دلی سے شہیدوں کی خاک سے شمعیں لایا ہوں تاکہ ان سے میرے دل و دیدہ خونابہ فشاں رہیں۔

انصاف رہا طاق پر۔ ہوا ایسی ہے کہ پنکھ اونچی اڑان کا مارا ہے اور ادا یہ ہے کہ اپنی پُر زور ستائش ہو۔ اس کا نصف حصہ شاہد بازی یعنی ہوا پرستی اور دوسرا نصف طاقت والوں کی تعریف یعنی بادخوانی ہے۔ بیداد تو دیکھو کہ جہاں

کہیں شانہ سے مرغولہ مویاں کی زلف کا خم کھلا مصیبت میرے دروازے پر آن کر لٹک گئی تاکہ شکن کے اس پیچ میں دل بندھ جائے۔ ۳۱

اور ذلت تو دیکھو کہ ہر چند اپنے سے غافل اور خدا سے فارغ رہا۔ پھر بھی اس معاملہ میں سروری کا ٹیڑھا رنگ چڑھا رہا۔ اس باب میں میرا ہوس بڑھا رہا یہاں تک کہ اس کے سامنے بندہ کی طرح کھڑا رہا۔

میں اپنی آزادی سے خوش ہوں کہ زیادہ تر کلام متعدد عشق بازوں سے گزارا (یہ عشق باز سائنس کی عظیم ہستیاں ہیں) اور مجھے اپنے حرص سے دکھ ہے کہ چند اوراق میں نے دنیا طلبوں کے کردار اور اہل جاہ کی مدح میں سیاہ کیے۔ افسوس ہے کہ سبک سر عمر کے تھوڑے عرصہ میں گانا بجانا سر چڑھ گیا اور کلام کا ایک حصہ جھوٹ اور مبالغہ کی نذر ہو گیا۔ انجام یہ ہوا کہ گراں خوابی نہ ٹوٹی اور ہوسنا کی کم نہ ہوئی۔ ابھی بھی جلد کے نیچے خون کی شورش کا قیامت خیز ہنگامہ ہے۔ اس قدر گرم حرص وہ بھی دل کے جیب میں۔ خواہش کی کھجلی سے آرزو دراز ہوئی کہ بہر حال بکھرے کلام کو اکٹھا کیا جائے اور چاہیں یا نہ چاہیں پراگندہ اوراق کی شیرازہ بندی ہو۔ یہ کیسی شرمندگی ہے کہ دنیا میں اپنی ہوا باندھو اور اس سے تھک جاؤ۔ حسن کی نظر فریبی، رنگ و راحتِ روح خوشبو، کرشمائی نشست، بدن کی اٹھان، مژہ کی درازی، نگاہ کی کوتاہی، قامت کی راستی، عادت کی کژی، وفا کی سردمہری، جفا کی خونگرمی، التفات کی دلربائی، تغافل کی جانگزائی اور محبت کی سبک خیزی، جسد کا بوجھ، چہرہ کی خوبصورتی، گمان کی زشتی، دل کی توانائی، کمر کی نازکی مسلم ہے۔ اور سخن میں طبیعت کی دوشیزگی، گوہر کی پاکیزگی، مضمون کی

پختگی، نفس کی گداختگی، سپاس کی چاشنی، نمک شکوہ، نشاط نغمہ، اندوہ شیون، روائی کار، رسائی بار، پردہ کشائی راز، جلوہ فروشیِ نوید، تعریف کی سازگاری، شکایت کی دل خراشی، صلا کی برابری، دورباش کی کرختگی، وعدہ کی گزارش، سپارشِ پیام، بارنامۂ بزم وہنگامۂ رزم حاصل۔

اب رہا میں اور میرا ایمان۔ میں وہاں پہنچا جہاں اپنے فن کے یکتائے روزگار یہ نہ جان سکے کہ سیاہی وسفیدی کیا ہے اور نہ وہ پلاس وپرنیاں کے تار و پود پا سکے۔

یہ پروانوں (الیکٹران) کے دل (نیوکلیس) کے چراغوں سے بنے ہیں یعنی ان کی ساخت میں تابکار (Radioactive) ایٹم لگے ہیں۔ اور وہ بلبل کے بال کے زیریں منازل ہیں۔[۳۲]

اشیاء صُور علیہ حقند یعنی اشیاء درحقیقت علم کی صورتیں ہیں۔ نا قابلِ دید شعاعیں جو طیف نگار یا غالب کی اصطلاح میں الواں نگار یا Spectrograph کی نلکی کی رگ سے ڈھلتی ہیں وہ نقاش کے صد ہا رنگوں کی عزت برباد کرتی ہیں (یعنی کوئی رنگ ان پر نہیں چڑھتا) اور وہ نغمے جو ابھی کسی ساز پر اترے نہیں مطرب کے ہزار ہا پردوں کے سُر لیے ہوئے ہیں۔ جو کچھ پردہ میں کہا گیا وہ بال سے ظاہر ہو گیا گویا بال موج شمال ہے۔[۳۳] اور ہر وہ جلوہ جو آئینہ میں نظر آتا ہے گردشِ فانوسِ خیال ہے۔ (روشنی کے رنگ خواہ وہ قوسِ قزح میں نظر آئیں خواہ طیف نگار کے آئینہ میں دراصل روشنی کے زیر و بم کے سوا کچھ نہیں)۔

سبک مغزاں جو گفتار کی دور رسائی کے لیے ہوا میں معلق ہیں ان سے

گفتار کے سوا کیا حاصل؟ [۳۴]

اور گراں جاناں (ٹرانزسٹرز Transisters) جن کی پائیداری کا انحصار ان سے منسوب دھاتوں کی مضبوطی پر ہے اور جو داستاں سرائی میں متحد ہیں ان سے داستاں کے سوا کیا باہر نکلے گا؟ [۳۵]

اس سوزو ساز کے پردہ کا نواگر گلشنِ راز کا مالک خدا فرماتا ہے۔

بیت (ترجمہ)

ہر وہ شخص جس کے دل میں شک نہیں اسے یقین ہے کہ ہستی ایک صرف ایک ہے۔

اسد اللہ سرسوں کی کھلی نکالنے والا، ڈھول بھری غزل کہنے والا، سیاہ بخت، تیرہ عقیدہ، ذہن سے تباہ، گردن مروڑنے والی آندھی میں لباس چھوڑنے والا اور دامن دانت سے پکڑنے والا، حریص زور آزماؤں کی لڑائی میں عقل داو پر لگانے والا نہ کم مصیبت کا مارا ہے اور نہ کم واویلہ مچانے والا کہ کنجِ ماتم میں بیٹھتا۔ وہ غیروں کی راحت سے منسوب کاموں کی مصیبت اپنی چوکھٹ پر لٹکا لیتا ہے اور آنکھ پیر پر گاڑے ہوئے اور سر کے بوجھ کو زانو پر آڑے ہوئے نازک کارنامہ انجام دینے میں جٹا رہتا ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ وہ رنگارنگ آرزویں جو بے ہودہ خون نہ ہوئیں اہلِ جاہ کی تن پروری میں مصروف ہوگئیں۔ کیونکہ دنیا میں مٹھی بھر لوگ جو خود کام نہیں کرتے وہ خالی ہاتھ ننگے پاؤں والے محروموں کی جماعت سے ان کی مزدوریاں چھین لیتے ہیں اور اس حکم کے ساتھ کہ اس وصولی کے عوض وہ ہوا میں سانس لے سکیں گے اور یہی وصولی ان جابروں کا سرمایہ

کامرانی ہی ہے۔

دنیا جاہ کے ہنگامہ سے عبارت ہے۔طرح طرح کے نقوش جو شان و شوکت کے گھمنڈ میں ابھارے گئے ہیں وہ نادانی کی علامتیں ہیں۔ کیونکہ سراب (یعنی رنگیں نقوش) کو بے رنگ سمندر نے اور ہیچ (یعنی وہ شعاع جو بساط کی طرح سپاٹ ہے) کو ہمگی نے اوپر سے پکڑ رکھا ہے اور بنا الیکٹران کی مدد کے ان سبھوں کو مفت کرشتوں یعنی ایٹموں نے اندر سے پکڑ رکھا ہے۔(طیف نگار سے لیا گیا منظر ہے۔رنگین طیوف کے اوپر بے رنگ موجوں کا ایک سمندر ہے اور ان کے نیچے بے رنگ بڑے سے بڑے ہوتی موجوں کا سمندر ہے۔سب سے چھوٹی موج سب کے اوپر ہوتی ہے۔

طیف نگار میں داخل کی گئی روشنی کی پتلی دھاری میں سبھی طرح کی موجوں کے ریشے ساتھ چلتے ہیں۔انہیں طیف نگار ترتیب وار آراستہ کرتا ہے۔ ایٹم دیمک کی طرح ان کے درمیان گزرتا اور اپنے پسندیدہ کرن کے جز کو جذب کرتا ہے اس کے بعد اسے ہر طرف بکھیر دیتا ہے۔)

نظر میں کسی خیال کا تصور ابھرا اور اس کا خون کر کے اسے گلستاں کہنا، وہم کی رہگور سے غبار اڑانا اور اس سے آسمان کی نقش بندی کرنا، پوشیدہ میری آیہ کی صورت لیے اور آشکارا معذرت خواہی اس شوخ چشمی کی ہوا بندی کے ساتھ کہ اپنی تعریف سے حاسد آزاری کی ہے، ایسی حرکات سے میرے دل کا خون ہوتا ہے اور لب پر مہر لگ جاتا ہے۔ایسے حالات میں بات پچا جاتا ہوں تاکہ آموزگارانہ فطرت کی گوش تابی کرسکوں۔دھاگے میں خزف ریزے گوندھ

کر کھینچنا اور اسے سلک گوہر شاہوار شمار کرنا، ایک مشت نے پارہ (پارسیوں کے آذر کدہ میں جلائی جانے والی مخصوص پودے کی پتلی کرچیاں) دم بدم جلانا اور خود کو پارس کے آذر کدہ کا ہیر بد (امام اعظم) سمجھنا، بوریا بُننا اور اسے دیبا طرازی کے نام سے مشہور کرنا، چکّی کا پتھر ننگنا اور الماس تراشی کا شہرہ پھیلانا کس دستور میں روا ہے اور کس فرھنگ میں مسلّم۔ اے گرفت سے آزاد اور پندار کے گڑھے میں گرے کافر ماجرا مسلمان زادہ اور اے کینچوا اور ٹاٹ کے مستحق۔ اے ہر جگہ شور شرابے کے لیے مشہور اور اے دل میں رنگ و ریو کا ایک اہرمنستان رکھنے والے، ناروا اندیشوں سے تمہارے دل کا خون ہو چکا ہے اور تمہاری زبان بے مزہ گفتار کے سبب منہ سے باہر ہوگئی ہے۔ تم یہ کہہ کر مجھے فریب دیتے ہو کہ زمانے میں فروغ خرَد کی گنجائش نہیں۔ اور یاروں کے اطوار اپنانے میں یہ مشکل بتاتے ہو کہ زمانے میں ہنر کی پوچھ نہیں۔ الغرض تم سے ایسا نہیں ہوسکتا کہ خواہش کی اونچائی کے لحاظ سے اپنا دروازہ اونچا کرو اور پلکیں اٹھا کر دیکھو۔ دانش و داد کی راہ چلو، روزگار چلانے کی رغبت پیدا کرو، خواہشوں میں تخفیف کرو، مصیبت کی گھڑی میں اپنی کمائی سے گزارہ کرو، لوگوں سے نہ جھگڑو، کنج تنہائی میں بیٹھو، اور انجمن آرائی سے بچو۔ فرد (ترجمہ)

ایک اللہ پر دار و مدار رکھو اور یہ مان کر چلو کہ دوسرا اللہ نہیں۔ اللہ کا نام لو اور ماسوا کو جلا دو۔

نہ سمجھ میں آتا ہے نہ گمان میں کہ غالب جو دانش سے بے بہرہ ہے کیسے ان خرزہرہ جیسے پھولوں کا گلدستہ بناتا ہے [۳۶]۔ اور اس فن میں ہدایت کارانہ

مہارت اسے کہاں سے حاصل ؟ اگر (گلدستہ میں) کوئی خامی یا کمزوری نظر آئی تو اسے بہر حال سدھارنا وہ جان سے بھی زیادہ اہم سمجھتا ہے۔

وہ (امین الدین احمد خاں) محبت میں گوہر بکھیرنے والے ابر ہیں۔ آنکھوں میں ان کے آگ کی سی لالی رہتی ہے۔ وہ تقویٰ پیشہ، سروری قابلیت والے، راستی اندیش، فقر میں کجکلاہ، جنید و شبلی کے خرقہ یاب، شان میں کیخسرو وافراسیاب کی تصویر، بزم کے پرویز، رزم کے رستم۔ حسن کے سورج۔ سیرت میں مشتری، جنّتی چہرہ والے، بہاراں خو، جفا گسل، وفا پیوند، دوست کو چھوڑنے والے اور دشمن کو پکڑنے والے ہیں۔ مثنوی (ترجمہ)

۱۔ ان کی وفا کی بدولت سارا جہاں ان کا ہے۔
ان کی محبت میں زمین آسمان ہے۔

۲۔ اہل جاہ میں وہ وجاہت نشاں ہیں۔
دانش مندوں میں وہ دانش بیاں ہیں

۳۔ وہ سرکش کے لیے ہیں گرم پنجہ
ہے فرتاب ان کے دانش کا کرشمہ۔ [۳۷]

۴۔ نظر ان کی شمعِ جمال کا پروانہ ہے
تماشہ ان کے باغ کا بلبل ہے

۵۔ نگہ اُن کی ہے راہِ دل کی سالک
دل ان کا ہے غم واندوہ جاذب

۶۔ وہ جلوے دیکھتے ہیں جاں کے دل کے

نہیں تیجتے مناظر آب وگل کے

۷۔ خط ان کا خوب روئی کا عنوان نگار ہے

ان کا لب خوش کلامی کا فرہنگ دار ہے

۸۔ وہ ایسے ابر ہیں جسے دنیا کو گلشن بنانے کی ہمت ہے۔

وہ ایسے برما ہیں جس کے سطوت سے سینہ میں روزن بن سکتا ہے

۹۔ ان کی طینت میں محبت کی نشانیاں ہیں

ان کی زبان پر حکمت کی بات ہے

۱۰۔ وہ نیکی کے باغ کے پودا ہیں

وہ بڑے بیاباں کے غزال ہیں

۱۱۔ وہ دریائے محبت کے بے بہا دُر ہیں

ان کا نام امین الدین احمد خاں بہادر ہے

یہ وہ ہستی ہیں کہ ان کی سرشت میں پارسائی اس قدر استوار ہے کہ میرے جیسے آدمی کے ساتھ عمر ہا تک یک دلی اور یک روئی برتا کیے، انہوں نے کبھی بھی میری رسوائی کے حلقے میں یا اپنی برنائی کی خلوت میں ہونٹھ مے سے آلودہ نہیں کیا۔ یہ وہ ہستی ہیں کہ ان کی مہربانی میری فطرت میں اسقدر دل نشیں ہے کہ اگر شائستگی کے ساتھ ان کی رونمائی قابلِ تسلیم نہ جانتا تو جان کی کوئی قیمت نہ سمجھتا۔ انہوں نے مجھے اس کام پر لگایا اور میری ہمت کو اس پرانی گدڑی میں پیوند لگانے (یعنی قلم باندھنے) پر مامور کیا۔ اس خودنمائی کی خجالت کا رنگ چہرہ پر نمایاں نہیں اور خود سے وابستہ اس ننگ کے قبول کرنے کی رسوائی نہ! اس معنی

میں سی ئی کہ یہ میری سستی میخواری ہے اور نہ اس معنی میں کہ چونکہ میری متاع میں اس میدان کی چمک نہیں لہٰذا میں احباب کی گرانیِ خاطر کی شرمندگی چھپا رہا ہوں۔ آرے ایسا کیوں ممکن نہیں کہ میرے استعداد کا کوئی شخص میرے بافضل پیرایہ اور نفس مضمون کا درجۂ کمال سرمایہ دار نہ ہو اور نہ اس کے لب پر میرے صرف واشتقاق کا ترانہ ہو اور نہ زبان پر میرا سلب وایجاب ہو، نہ میری طرح خونِ صراحت اس کی گردن پر ہو، نہ میرے لغات کا نقش اس کے کاندھے پر ہو۔ نہ میری صنعتوں کی آبلہ پائی ہو۔ نہ بدائع کے دھاگوں میں گوہر پرونے کا میرا فن ہو، نہ میری بے دود پارسی کی آگ میں پکا کباب ہو اور نہ معنی کے پُر زور بادہ کی تلخی کی خراب حالی ہو۔ میں عجم کے پارسیوں کے آتشکدہ کا سمندر ہوں۔ میری سوزش مجھ سے بھی پوچھو۔ کیا پارس کے نخلبندوں کے گلزار کے میاں بیوی کی بات بھی میرے لب سے سنو گے۔ ابر سبزہ اگاتا ہے۔ نسیم گل افشاں ہے۔ اسے چننا اور اس کا گلدستہ بنانا گری ہوئی صنعت ہے [۳۸]۔ یاراں پیشہ ور ہیں، سمجھتے ہیں بیکار جینا اچھا نہیں۔ نفس شرارے کے سانچے میں ڈھالنا ہے اور زبان کو اجزا میں کاٹ کر انہیں موتی پہنا رہا ہوں [۳۹]۔ خود سے کمال کا حصول بڑی بات ہے اور ہم اس تگ وتاب میں ہیں یعنی اس مہم میں جان کی بازی لگائی جاسکتی ہے۔ فرد (ترجمہ)

اے غالب ہر حرف کی تہہ میں میں نے میخانہ سجا دیا ہے
تاکہ میرے دیوان سے سخن کی سرمستی حاصل ہو۔

☆☆☆

صراحت

۱۔ فارسی/اردو شاعری کا روایتی شاہد انیسویں صدی کی موڑ تک آتے آتے بالکل گھس چکا تھا۔ غالب نے اسے لوازمات کے ساتھ ادب سے رخصت کیا اور باغ میں بید لگا دی۔ اس کا ذکر غالب سے سنیئے۔

شاہد و مئے زمیاں رفتہ و شادم بہ سخن

کشتہ ام بید دریں باغ کہ ویراں شدہ است

غالب اپنے دیوان کی شکل میں ایک نئے شاہد سے دنیائے ادب کو روشناس کرتا ہے۔ اس کے دستر خوان پر ساری دنیا موجود ہے اور خورشید نمک داں کی صورت میں حاضر ہے۔

شہرتم گر بہ مثل مائدہ گردد بینے

کہ براں مائدہ خورشید نمکداں شدہ است

نئے شاہد کی تعریف میں آگے غالب کہتا ہے۔

غالب آزردہ سروشیست کہ از مستی قرب

ہم بداں وحی کہ آوردہ غزلخواں شدہ است

غالب ایک پریشاں حال فرشتہ ہے۔ قرب کی سرمستی سے جو وحی لایا اس کی سرخوشی میں غزلخواں ہو گیا۔

بند سے ظاہر ہے کہ غالب طیف نگار سے نئے معجزات کی امید کر رہا ہے۔

۲۔ غالب ایٹم کی شناخت کئی ناموں سے کرتا ہے۔ چونکہ سب سے چھوٹا ایٹم ہائیڈروجن ہے جو دوسرے ایٹموں کی کمیت کی پیائش میں بطور باٹ استعمال ہوتا ہے لہٰذا غالب اسے 'من' بھی کہتا ہے۔ اسی سبب سے 'من' کا ترجمہ ایٹم کیا گیا ہے۔ اس کی تصدیق غالب کی درجِ ذیل رباعی سے ہوتی ہے:

در کلبۂ من اگر غبارے بینے پیچیدہ بخویش ہچو مارے بینے
تنکست چناں کہ دائم از صحن سرا از جرمِ فلک سیّارہ وارے بینے

یہاں 'کلبۂ من' سے غالب کی مراد ایٹم کا نیوکلیس ہے۔ رباعی نیوکلیس کے حقائق پر مبنی ہے۔ الکٹران کو تشبیہ ''غالب نے نیوکلیس کا سیارہ کہا ہے۔ اس کی نظر میں ایٹم ذراتی سطح کا نظام شمسی ہے۔

نوٹ: غالب کی نظر میں ایٹم کائنات کا بنیادی عنصر ہے۔ لہٰذا اس کا قدرے تفصیلی تعارف ضروری ہے۔ پروفیسر عبدالسلام اپنی کتاب ''تصورات موزونی'' کے صفحہ ۳ پر فرماتے ہیں ''ایٹمی جسامت (ایک سینٹی میٹر کا دس کروڑواں جز) کا اندازہ یوں لگایا جا سکتا ہے کہ اگر ایک کرکٹ کا گیند زمین کے برابر ہو جائے تو اس کا ہر ایٹم عام گیند کے اتنا نظر آئے گا'' ایٹم کا نیوکلیس یا کلبہ ایٹم کا ایک لاکھواں جز ہے۔ نیوکلیس مادّی تحت ذرات کا ذخیرہ ہے۔ یہ ذرات ایک طاقتور حصار میں بند رہتے ہیں۔ نیوکلیس میں مثبت برقی چارج ہوتا ہے۔ اس کے باہر الیکٹران نامی ذرہ گردش کرتا ہے۔ اس میں منفی برقی چارج ہوتا ہے۔

۳۔ ادھ جلے چراغ سے غالب کی مراد وہ ایٹم ہے جو صرف الیکٹران کے ذریعہ

روشنی خارج کرتا ہے۔ الیکٹران ایٹم کے گرد جس لیک پر متواتر گردش کرتا ہے وہ روشن رہتی ہے۔ پہلو رخ تابانی گویا چودھویں کی چاندنی ہے۔ الیکٹران کی پہلو رخ روش سائنسی اصطلاح میں In-phase motion کہی جاتی ہے۔

۴۔ یہ تابکار (Radioactive) ایٹم ہیں۔ غالب انہیں کاغذی پیرہن کہتا ہے۔ ان کی تخلیق ستاروں کے قلب کی بھٹیوں میں ہوتی ہے۔ ان کے نیوکلیس میں تحت ذرات اڑسا کر بھرے ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان کے دباؤ سے نیوکلیس کے حصار شکست و ریخت کے شکار بنتے ہیں۔ اس کی وجہ سے نیوکلیس کا عکس اور تف باہر نکلتا ہے۔ ایٹم کی اس کیفیت سے غالب کے سوا کوئی اور غالباً واقف نہ تھا۔ اس موضوع پر غالب یوں گویا ہے:

اے کردہ بہ مہر زرفشانی تعلیم   پیدا از کلاہِ تو شکوہِ دیہیم
بادا بتو فرخندہ زیزدانِ کریم   پروانگیٔ جدید اقطاعِ قدیم

(تو نے سورج سے زرفشانی کی تعلیم لی۔ تیری کلاہ سے تاج کی چمک پیدا ہے۔ خدا کے کرم سے اور تیرے طفیل لوگوں کو پتنگوں کے بجائے الیکٹران کی پروانگی مبارک ہو)۔

۵۔ سورج یا دوسرے تاروں کی روشنیاں پھیلاؤ میں سمندر کی طرح ہیں۔ ان کے خرد برد کے مرتکب ایٹوں کا علم ان کی شعاعوں کے طیوف سے ہوتا ہے۔ طیف اخذ کرنے کا طریقہ یہ ہے، ایک غیر شفاف پتلی نلکی کے ایک سرے میں بنائے ایک چھوٹے دراز سے روشنی کی شعاع گزار کر شیشے کے ایک تین

کوروں والے منشور پر ڈالتے ہیں۔ قابلِ دید روشنی کی سات پٹّیاں اُبھر آتی ہیں۔ یہ رنگوں کے طیوف ہیں۔ اگر کسی طیف میں کالی لکیریں ابھریں تو وہ لکیریں ان سے منسوب روشنی کے اجزا کو جذب کرنے والے ایٹموں کا پتہ دیتی ہیں۔ ان کے ہم خوزمنی ایٹم ان کا پتہ نشان فراہم کرتے ہیں۔ روشنی کے اجزا جذب کرنے کے بعد متعلّقہ ایٹم اسے ہر سمت بکھیر دیتے ہیں۔ مشہور سائنسداں اسٹیون وین برگ (Steven Weinberg) اپنی کتاب 'اوّلین تین منٹ' کے صفحہ ۲۳ پر کہتے ہیں:

''آج (۱۹۷۰ء) ہم جانتے ہیں کہ طیف کی کالی لکیر اور اس کے متبادِل نوری ذرہ (فوٹون) کا موج طولی اور توانائی برابر ہوتی ہے۔ متعلّقہ فوٹون کو جذب کر کے مخصوص ایٹم اس فوٹون کی توانائی کی عین مناسبت میں مشتعل (Excited) ہوتا ہے''

غالب اپنے جملہ 'قلزم آشامان نگہ رابدستگیریٔ صلائے فراوانی بادہ دریاب' میں وین برگ کی پیشین گوئی کرتا ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ٹارچ کی روشنی اپنے مخرج سے ایک مخروطے کی شکل میں پھیلتی ہوئی بڑھتی ہے مگر روشنی کے راستے میں حائل ایٹم اپنی اہلیت کے لحاظ سے اس روشنی کے اجزاء کو ہر سمت بکھیرنے کا کام کرتے ہیں گویا وہ روشنی کا فیض اس حلقہ میں بھی ارسال کرتے ہیں جو عام دھارا سے کٹا ہوتا ہے۔

۶۔ نیوکلیس کے گرد الیکٹران مختلف اونچائی پر گردش کرتے ہیں۔ سب سے اونچی راہ کے سوا ہر راہ پر وہ نورہ (روشنی کا ذرّہ) خارج کرتے ہیں۔ ہر راہ پر

خارج نورہ کی توانائی مختلف ہوتی ہے۔اس لحاظ سے الیکٹران کے ہر اسٹیج سے خارج نورہ جدائے یا نغمے کے مترادف ہوتا ہے۔لہذا ایٹم اپنے نغموں سے بھی پہچانے جاتے ہیں۔مگر ایک طیف شناس ہی ایٹمی نغمات کی سماعت کرسکتا ہے۔حقیقتاً ایٹمی دنیا نغموں کا آبشار ہے۔

۷۔ برق مقناطیس دو قسم کے چارجوں (اردو اصطلاح بار) سے عبارت ہے۔ایک منفی چارج ہے جو الیکٹران میں ہوتا ہے دوسرا مثبت جو نیوکلیائی ذرہ پروٹان میں۔ دونوں الگ الگ اندھیرے میں رہتے ہیں۔ ہم جنس چارجوں کے ذرات قربت پسند نہیں۔ مخالف چارجوں کے ذرات کے مابین کشش ہوتی ہے۔مخالف چارجوں کے ذرات ملتے ہیں تو روشنی لپکتی ہے۔روشنی سے انجمن آرائی ہوتی ہے۔

۸۔ مادہ اور توانائی دو مختلف اشیاء نہیں۔دراصل وہ ایک ہی شئے کی دو حالتیں ہیں۔ ٹھہرا تو مادہ چلا تو توانائی۔ یہ خیال زردشت، غالب اور آئنسٹائن کے یہاں مشترک ہے۔

حضرت زردشت پارسی ملت کے پیغمبر مانے جاتے ہیں۔اس ملت کی متبرک کتاب ''ژند'' زمانہ قدیم میں غائب ہوگئی۔حضرت زردشت کے بکھرے اقوال متعدد علماء نے جمع کرنے کے دعوے کیے۔ جرمن فلسفی فریڈرک نیطشے (Friedrich Nietzsche) نے ان کے اقوال پر مبسوط ایک کتاب ''زردشت نے یوں ارشاد کیا'' (Thus spake Zarathustra) مرتب کی۔

غالب نے مادہ یا توانائی کے متعلق جو حقائق ان سے منسوب کیے ہیں وہ مذکورہ بالا کتاب کے باب نمبر ۴۰ میں 'عظیم واقعات' کے عنوان کے تحت مرقوم ہیں۔ روداد پانچ صفحات پر محیط ہے۔ چند جملوں میں اس کا خلاصہ یوں کیا جا سکتا ہے:

''کیمیاوی آگ کا کتا اپنی تعمیری اور تخریبی صلاحتیں اجاگر کرتا ہے اور اپنے شاہکار آتش فشاں کوہ کی تباہ کاری پر اتراتا ہے۔

اس کے بعد مادّہ کے دل سے پیدا آگ کے کتے کے آنے کی بات ہوتی ہے۔ خبردار کیا جاتا ہے کہ وہ چشم زدن میں بڑے بڑے شہر کو راکھ کی ڈھیر میں بدل دیگا اور جاندار پتھر کے مجسمے بن کر رہ جائیں گے۔ کیمیاوی کتا نیوکلیائی کتے کے نمودار ہونے کے پہلے ہی میدان سے دم دبا کر اپنے غار میں جا چھپتا ہے''۔

۹۔ ہنگامۂ ابر و باد سے غالب تعمیری اور تخریبی قوتوں کے اثرات اجاگر کر رہا ہے۔ ابر گوہر بار تعمیری قوت کا نمائندہ ہے اور باد الماس فشاں تخریبی قوت کا۔ یہ نیوکلیائی بم کا مظہر ہے۔ الماس کا نیوکلیس شعاع ریز ہوتا ہے۔ یہ زہریلی شعاعوں کا سیل ہے جسے ہیروشیما بھگت چکا ہے۔ غالب ایسی شعاع کی ہلاکت خیزی کا منظر شعر میں یوں پیش کرتا ہے ؎

ہے طاقِ فراموشی سودائے دو عالم
وہ سنگ جو گلدستۂ جوشِ شرر آوے

۱۰۔ حدت سے مادّہ کی تخلیق کے بارے میں وین برگ کی کتاب ''اولین تین منٹ''

کے ص ۱۶۳ کا چارٹ دیکھیں۔ جس شدید حدت سے ایک مادّی ذرہ بنتا ہے وہ فنا ہو کر اتنی ہی حدت پیدا کرتا ہے۔

۱۱۔ غالب نے یہ مثنوی ایٹم کی تعریف میں لکھی ہے۔ مثنوی کے آخری شعر کے پہلے مصرعہ میں غالب کہتا ہے ''گرچہ انسانی جسم کمزور ہے مگر اس کی بنیاد ایٹموں پر ہے جو بہت مضبوط ہیں۔ ایٹم کی مدح سے گویا میں اپنی مدح کرتا ہوں اور اپنی مدح سے گویا خدا کی قدرت پہچانتا ہوں۔

۱۲۔ صراحت نمبر ۵ میں روشنی کے طیوف کا ذکر آچکا ہے۔ اس موضوع پر اضافی تفصیل ضروری ہے۔ طیف نگار روشنی کی سات رنگین پٹیاں جدا مگر ایک دوسرے سے ملحق ظاہر کرتا ہے۔ یہ رنگ ہیں بنفشہ، نیلا، آسمانی، سبز، پیلا، نارنجی اور لال۔ ان رنگین پٹیوں کی تپش تین ہزار سے پندرہ ہزار ڈگری کیلون کے درمیان ہوتی ہے۔ تپش کے ان سات مراحل کو غالب سات دوزخوں سے تعبیر کرتا ہے۔ اور دھوپ ان دوزخوں کا آمیزہ یا گداز ہے۔ اس دھوپ میں دھلا اور غالب کی تحریر سے سرسبز ورق نظام شمسی کے آٹھ سیاروں عطارد، زحل، زمین، مریخ، مشتری، زہرہ، یورینس (Uranus) اور نیپچون (Neptune) کے رموز سے پردہ اٹھاتا ہے۔ غالب انہیں گلشن کہتا ہے۔ زمین تو سرسبز ہے ہی، مریخ ہلکے لال رنگ عیاں کرتا ہے اور نیپچون ہلکے نیلے رنگ۔ (نظام شمسی کا آٹھواں سیارہ نیپچون بتاریخ ۲۳ر ستمبر ۱۸۴۶ء کو دریافت ہوا تھا۔ نواں سیارہ پلوٹو (Pluto) انیسویں صدی کی دریافت ہے)۔

۱۲۔ حوران حوبی میں سے کی انتہائی چھوٹی زیر و بم والی نوری موج۔ کسی موج کے زیر کے قریبی دو بلند ترین نقاط کے فاصلے کو موج طولی کہتے ہیں۔ موج طولی جس قدر چھوٹا ہوگا اتنا ہی وہ زیادہ توانائی کا حامل ہوگا۔ ایک ایٹم جوں ہی نہایت چھوٹے موج طولی کا نورہ جذب کرتا ہے اس کی انگریزادائی (سائنسی اصطلاح میں اشتعال (Excitement) اتنی ہی زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ نتیجتاً اس کا الیکٹران اپنے بلند ترین مدار میں جست کر کے پہنچ جاتا ہے اور چندے دواں رہ کر سب سے نچلی مدار کی طرف چھلانگ لگاتا ہے اور اس عمل میں وہ اپنا طاقتور نورہ خارج کرتا ہے۔ غالب کہتا ہے کہ اس کے قلم کے ایٹموں کو ایسے طاقتور نورے لگاتار عطا ہوتے ہیں۔ یہ نورے اپنے منبع اور گزرگاہ کے رموز کے نقوش اپنے ساتھ لیے پھرتے ہیں۔ علاوہ بریں صراحت نمبر ۳۰ کے مطابق حوران طولی نشیں کی جنبش کا اعادہ غالب کے قلم کے الیکٹران دوسرے الیکٹرانوں کی طرح کرتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ غالب اسے محسوس کر رہا ہے۔

۱۴۔ سلیمانی عقیدہ طبعی قوت میں یقین ہے۔۔ مادّی اجسام ایٹم کی تشکیل ہیں۔

ہوا جب عشق ثابت ہے وہ تمغائے مسلمانی
نہ ٹوٹی شیخ سے تسبیحِ زنّارِ سلیمانی (سودا)

حضرت سلیمانؑ کے زنّار میں ایٹم کے دانوں کے سوا کچھ اور نہ تھا اور ایٹم آج تک قابلِ دید نہیں۔

۱۵۔ سیہ خیمۂ لیلیٰ منشاں سے غالب کی مراد بلیک ہول ہیں۔ بلیک ہول یا اخترِ سیاہ

اپنی آگ میں جلا ہوا تارا ہے۔ یہ ثقلی کشش سے بے حد چھوٹی ہیئت میں ڈھل جاتا ہے۔ اس کے اندر سے کوئی چیز حتیٰ کہ روشنی بھی باہر نہیں نکلتی اسی لیے یہ دکھائی نہیں دیتا۔ اس کی کشش اتنی طاقتور ہے کہ اس کی کشش جہات سے مادی اشیاء کھنچ کر اس کے قرب میں آتی ہیں۔ اس کے قرب میں اشیاء کی دبازت انتہا کے قریب پہنچ جاتی ہے۔ لہٰذا وہاں وقت نہایت سست رفتار ہو جاتا ہے۔ مادی حرکت بلیک ہول کی کشش میں ازالے کی وجہ سے سست ہو جاتی ہے۔ نتیجتاً وہاں کثیر تعداد نئے ستارے بنتے ہیں۔ غالب کے نظریہ کا یہی خاورستان ہے۔ بلیک ہول پر غالب کے افکار کے لیے خاکسار کی کتاب ''غالب ایک سائنسداں'' کا ص ۱۰۴ دیکھیں۔

۱۶۔ مجنوں روش سے مراد نظام شمسی کا سیارہ ہے۔ رات میں سیاروں کی وادیاں ستاروں سے جگ مگ رہتی ہیں گویا وہ ستارے نہ ہوں بلکہ کرمک شب تاب ہوں۔

۱۷۔ دوباب خامہ سے مراد تابکار (Radioactive) ایٹم ہیں۔ ایسے ایٹموں کے نیوکلیس کی آواز اور ان کے الیکٹرانوں کی آوازیں باہم ٹکرا کر کالعدم ہو جاتی ہیں۔ نیوکلیائی تابکاری سے پتھر قیمتی بن جاتا ہے۔

۱۸۔ تھکے پاؤں مسافر سے غالب کی مراد سست گام ہوا نیوکلیس ہے۔ ابتدا میں کائنات نہایت گرم تھی۔ مادی ذرات اور عکس ساتھ ساتھ گردش میں تھے۔۔ کائنات کے پھیلاؤ سے حدت کم ہوئی۔ مادی ذرات سست گام ہوئے۔ نیوکلیس سب میں بھاری تھا لہٰذا وہ زیادہ سست ہوا۔ سست گام نیوکلیس

اپنے گرد خار یعنی الیکٹران کا سایہ دیکھتا ہے۔ وہ دونوں یک خانگی رشتہ میں مربوط ہو جاتے ہیں۔

۱۹۔ الیکٹران سے محروم نیوکلیس اپنی ناکامی کا ماتم کرتا رہا۔ اس کے ذریعہ جذب کیا گیا نور (Photon) اس کے چہرے پر پھیل گیا یعنی اس کا موج طولی بڑا ہو گیا۔ درد تڑپ سے منسوب ہے اور یہ بڑے موج طولی کا استعارہ ہے۔ موج طولی اور توانائی میں الٹا تناسب عمل کرتا ہے یعنی بڑا موج طولی کم توانائی رکھتا ہے گویا ایسے نیوکلیس کو کم توانائی میں گزارہ کرنا ہے۔

۲۰۔ ایٹمی عدد ۸۶ اور اس سے اوپر عددوں والے ایٹم تابکار (Radioactive) ہوتے ہیں ۔ جیسا کہ قبل عرض کیا گیا ہے ایسے ایٹموں کے نیوکلیس میں ذرات اڑے ہوتے ہیں لہٰذا نیوکلیائی بندان کی زدوکوب سے جا بجا کٹ پھٹ جاتا ہے۔ ان سوراخوں اور درازوں سے نیوکلیس کے گرم مادے اور عکس خارج ہوتے ہیں۔ اسی عکس سے قیمتی پتھر چمکتے ہیں۔

۲۱۔ سورج جیسے اجرام فلکی کے قلب (Cores) اپنے باہری مادے کے دباو سے نہایت النہایت آتشیں ہو جاتے ہیں۔ مخصوص درجۂ حرارت پر قلب کے ایٹموں کے نیوکلیس کے حصار ٹوٹ جاتے ہیں اور نیوکلیائی انضمام (Nuclear Fusion) کا عمل جاری ہو جاتا ہے۔ دو دو ہائیڈروجن سے ایک ایک ہیلیم بننے لگتے ہیں۔ اس عمل سے توانائی کی جو تھوڑی بچت ہوتی ہے وہ اجرام سے خارج ہوتی ہے۔

۲۲۔ اجرام کے رخوں پر روشنی کے رنگوں سے غالب کی مراد روشنی کے وہ موج طولے

ہیں جو ہماری نظر میں رنگوں کے مظہر ہیں۔ ایٹم ایسے موج طولوں کی شعاعیں بغیر کسی صفت کے پہچانتے ہیں اور وہ انہیں دھارے سے نکال کر باہر کرتے ہیں۔ طیوف میں اس کی جگہیں سیاہ نظر آتی ہیں۔

۲۳۔ تابکار ایٹم مطمین ایٹم کو بھی تابکار بنا دیتا ہے۔ اسی لیے تابکار ملبوس جاندار کے جسم کے لیے مضر ہے۔

۲۴۔ ماہتاب کے ایٹموں کی درخشانی سورج کی شعاعوں سے الگ کر پانا بیسویں صدی کے اولین نصف تک ممکن نہ تھا۔ اب چاند کے اس رخ سے جو سورج کی مخالف سمت میں رہتا ہے ایٹموں کے طیوف لیے جا سکتے ہیں۔ چاند کا کتان اس کے ایٹموں کی روشنی ہے۔

۲۵۔ معتبر باتیں کہنے والی زبان سے مراد ٹیلی گراف ہے۔

۲۶۔ یہاں قطرے سے مراد پانی کا سالمہ ہے جو دو ہائیڈروجن اور ایک آکسیجن کے ایٹموں کی باہمی بندش سے بنتا ہے۔ ان ایٹموں کے الیکٹران سالے کو مضبوطی سے باندھے رہتے ہیں۔

۲۷۔ 'رود بار نا پیدا کنار' سے غالب کی مراد 'نیبولی' ہیں۔ یہ (Nebulae) دودھ کے چشموں جیسے لگتے ہیں۔ یہ دراصل نوری گردابیں ہیں۔ طاقتور دوربینوں سے یہ 'لو' یا ستاروں کے کھلیان کی شکل میں دکھائی دیتے ہیں۔ ایٹم کہتا ہے میرا لگاتار گیلیکسیوں کے ستاروں کے درمیان گزرنا ایسا ہے گویا شبنموں کے الیکٹران سے کوئی کرن نکل کر صدفوں کے نافوں میں پرورش پا رہے موتیوں کو پروئے ہوئی ہے۔

۲۸۔ اگر کوئی گیلیکسیوں میں تقریباً روشنی کی رفتار سے کچھ عرصہ چل کر زمین پر لوٹے
تو وہ حیرت کرے گا کہ زمین کا وقت اس کے وقت سے اتنا تیز رفتار تھا کہ
یہاں کا زمانہ اس سے صدیوں آگے ہو گیا ہے۔ اسی لیے سفر سے زمین پر
لوٹا ایٹم زمانے سے کٹا ہوا محسوس کرتا ہے۔

مادہ پر وقت کا انحصار ہے۔ جتنا زیادہ مادہ کی دبازت ہوگی اتنا ہی کم
اس کی حرکت ہوگی اور اس کا وقت اتنا ہی سست رفتار ہوگا۔ ایٹم گیلیکسیوں
کی رہائش میں سست رفتار وقت سے گزر رہا تھا لہٰذا زمین کا زمانہ اس سے
بہت آگے نکل چکا تھا۔ دراصل اٹھارہویں صدی میں متعدد نے
بولی (Nebulae) گیلیکسیوں کی شکل اختیار کر چکے تھے (دیکھیں
کتاب اولین تین منٹ ص ۲۵)۔

۲۹۔ اسلوب سے غالب کی مراد ٹیلی گرافی کے مورس کوڈ (Morse Code) جیسی
صوتی یا مرئی علامتوں سے ہے۔

۳۰۔ پروفیسر عبدالسلام اپنی کتاب ''تصورات موزونی جدید طبیعیات میں'' کے
ص ۶ پر فراڈے اور میکسویل کے حوالے سے کہتے ہیں: (اقتباس)
''جس طرح کوئی چھڑی پانی میں ڈالکر ہلائی جائے تو سطح پر لہریں
پھیل جاتی ہیں ویسے ہی ایک سرعت یافتہ ہرقانہ (الیکٹران) کی
حرکت سے خلا میں برق مقناطیسی لہریں پیدا ہو جاتی ہیں۔ یہ لہریں
خبر گیر (رسیور) کے الیکٹران کے ذریعہ اسی طرح گرفت میں آجاتی
ہیں جس طرح پانی کی لہروں کے اثر سے سطح پر تیرتا ہوا کارک کا ٹکڑا

اوپر نیچے اچھلنے لگتا ہے۔ ان لہروں کی ایک مثال ریڈیائی لہریں ہیں
جن پر آواز نشر کی جاتی ہے اور جن کے ذریعہ خبر گیر کے الیکٹرانوں کو
نشر کنندہ کے الیکٹرانوں سے ہم آہنگ حرکت میں لایا جاتا ہے۔''

غالب، فراڈے اور میکسویل (دونوں برطانوی سائنسداں) کا
ہمعصر تھا۔ غالب کا کلیات فارسی نظم ۱۸۳۵ء میں مرتب ہوا اور ۱۸۴۷ء
میں طبع۔ فراڈے نے ۱۸۳۱ء میں برق مقناطیسی عید کے اصول
(Principles of electro-magnetic Induction) منکشف
کیے۔ یہ انقلابی انکشاف بیسویں صدی کے عالمگیر ابلاغ عامہ کی بنیاد تھا۔ غالب
اس انکشاف سے بے حد متاثر ہوا۔ اسنے اس بنا پر مستقبل کا یک معقول
خاکہ مرتب کیا۔ (دیکھیں غالب ......ایک سائنسداں، ص ص ۷۱، ۷۲)۔

۳۱۔ محولہ جملہ نئی ایجادات وانکشافات میں غالب کی دلچسپی کا مظہر ہے۔

۳۲۔ بلبل کے بال سے غالب کی مراد قابل دید شعاعوں کا حلقہ ہے جو مختلف رنگوں
کا مظہر ہوتا ہے۔ کتاب مسمیٰ ''اولین تین منٹ'' کے ٹیبل نمبر ۲ کے مطابق
قابل دید شعاعوں کا حلقہ سینٹی میٹر کے دس ہزارویں جُز سے پچاس ہزارویں
جُز تک پھیلا ہوا ہے۔ اس حد سے چھوٹے زیروبم والی شعاعیں روپوش
رہتی ہیں۔ چند نادر وسائل ان کے کچھ حصوں کی خبر دیتے ہیں اور بقیہ حصہ
سے شاید تاریکی کبھی نہ ہٹ سکے۔

۳۳۔ زمین کی اتری مقناطیسی قوت کی وجہ سے کمپاس کی سوئی کا رخ اتر کی طرف
ٹھہرتا ہے۔ یہ سوئی مقناطیس کی خفیف کشش بھی ظاہر کرتی ہے۔

۳۴۔ سبک مغزاں سے مراد موصل (Conductor) دھاتیں ہیں۔ ان دھاتوں کے ہمراہ برق مقناطیسی لہر بنا خلل دوڑتی ہے۔ تانبا، چاندی یا لوہے جیسی کچھ دھاتیں نرم مزاج کہی جاتی ہیں۔ موصل دھاتوں کے تاروں کے ذریعہ ٹیلی مواصلات کے رابطے قائم کیے جاتے ہیں۔ چونکہ ان دھاتوں کے بیرونی الیکٹران متعلقہ ایٹموں سے اتنے ڈھیلے بندھے ہوتے ہیں کہ وہ دھات کے روے کی جالی میں آزادی سے بھاگتے پھرتے ہیں (دیکھیں تصوراتِ موزونی از عبدالسلام ص ۵)۔

۳۵۔ گرانجاناں (ٹرانزسٹر)۔ سلی کن اور جرمین یم ایٹموں کے روے یا قلمیں نیم موصل ہوتی ہیں۔ خفیف وولٹیج ان پر عائد کیجیے تو بجلی کے بہنے میں مددگار نہ ہوں گی، لیکن ذرا زیادہ وولٹج پر ایک حد تک ایصال کرنے لگتی ہیں۔ ان ٹھوس قلموں کو استعمال کر کے وہ کام لیے گئے ہیں جو ان کی دریافت سے پہلے الکٹرونک نلیوں سے لیے جاتے تھے۔ ڈایوڈ (Diode) آسانی سے بن گیا جو بجلی صرف ایک ہی طرف گزارتا ہے اور اس طرح A.C. کو D.C. میں بدلنے والے آلہ کا کام کرتا ہے۔ ان نیم موصلوں سے ٹرایوڈ (Triode) کا کام لی ۱۹۵۶ء میں بارڈین، شوکلے اور براٹن نے ٹرانزسٹر بنا کر لیا، جس سے وولٹج عاید کرنے کے لیے استعمال شدہ دو نقطوں کے درمیان ایک تیسرا نقطہ تلاش کر کے حاصل ہونے والے یک طرفہ کرنٹ کو کئی گنا بڑھایا جا سکتا ہے۔ اس ایجاد کا استعمال اب ہر اس بجلی کے سرکٹ میں عمدگی سے ہوتا ہے جہاں الکٹرونک کی ضرورت ہوتی ہے۔ کرنٹ آواز میں بدلا

جائے تو آواز تیز ہو جاتی ہے، جیسے کہ لاؤڈ سپیکر میں وغیرہ۔ (بہ شکریہ پروفیسر سعید الظفر چغتائی، سبکدوش صدر، شعبۂ طبیعیات، اے۔ ایم۔ یو، علیگڑھ)۔

۳۶۔ خرزہرہ یا کنیر کا نام کا ایک پیڑ ہے جس سے سفید اور لال رنگ کے پھول کھلتے ہیں۔ یہاں خرزہرہ آہنگ پھولوں سے مراد رنگ برنگ کے قیمتی پتھر ہیں۔ پہلے ذکر میں آچکا ہے کہ ایٹموں کے نیوکلیس کی تابکاری سے یہ پتھر چمکتے ہیں۔ غالب کا عہد تو کیا بیسویں صدی کی ابتدا تک غالب کے سوا کوئی دوسرا اس حقیقت سے واقف نہ تھا۔

۳۷۔ فرتاب (Tachyan) روشنی سے تیز چلنے والا ذرہ جو کسی منزل کے لیے حال کے لمحے میں چل کر ماضی کے کسی لمحہ میں پہنچ گیا ہوتا ہے۔ اس موضوع پر مترجم کا مضمون دسمبر ۲۰۰۲ء کے رسالہ 'آجکل' اردو، نئی دہلی میں دیکھیں۔

۳۸۔ تمثیل روایتی غزل گویوں سے منسوب ہے۔

۳۹۔ ٹیلی گرافی کے مورس کوڈ (Morse Code) کی تعریف ہے۔ صوتی لہروں کو برقی لہروں میں منتقل کر کے نوری رفتار سے پیغام رسانی ایک معجزہ ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

دیباچہ

یگانہ یزدان را بزبانیکہ بخشیدۂ اوست سپاس گزارم، وخود مراچہ پایاب سپاس گزاری اوست کہ چون منے راکہ حرف از خزف نشناسم۔ آنہمہ نیز د کرامت کرد، کہ پردہ از رخ این شاہد نو خاستہ کہ خرد نخستین دیوانش نامد برگرفتم۔ وبہوائے جلوۂ دیگر کہ ہنوز صفحۂ اندیشہ بیرنگ آن نپذیرفتہ آئینہ زدائی از سر گرفتم۔ بارِ خدایا دردناروائی کالا دل راآنچنان فرد نگرفتہ۔ کہ تن بزبونی درندہم، وبدین آرزو منت برخویشتن نہم، کہ یارب پس از مرگ چون من بگرد سراپائے گفتار گردیدہ بیافرینی تاوارسد کہ دیوارِ کاخ والای سخن درچہ پایہ بلندست وسرشتۂ کمند خیالم درآن فرازستان بکدامیں ذرّہ بند۔ فرد:

ذوقیست ہمدمی بفغان بگذرم ز رشک   خار رہست بپای عزیزاں خلیدہ باد

بنام ایزد نخستین نقابیست از ردی شاہد ہرہفت کردۂ معنی بجنبشِ نسیم بر اُفتادہ یعنی تنگ کشاکش، دست ناکشیدہ بازپسین چراغیست از گری چراغان نیم سوختہ پہلو رخ با فرختن دادہ یعنی داغ منت خس نادیدہ۔ کہن داغہای جنون است سراسر بناخن شوخی نفس خراشیدہ۔ گرما گرم خونابۂ دردنست بتف پنہانی دل ناگہ از ناسور تراویدہ، کاغذی پیراہنانند چون پیکر تصویر از حیرت واقعہ خاموش مشعل

بکف گرفتگانند چون آزر از دود دل سیہ پوش۔ قلزم آشامان نگہ رابدشگیری صلائے فراوانی بادہ دریاب، کہ این خسروی میکدہ ایست در بروی انجمن باز کردہ، زمزمہ سنجانِ طرب رابدمسازی نویدانبوہی نغمہ بنواز کہ این باربدی پردہ ایست ازبال موسیقار ساز کردہ، خسروی شبستانیست بصاعقہ سرگرمی ذوق انجمن آرا آتشخیز گردیدہ۔ بچشمک زنی درخشندگی اجزای خاکستری از اندوہ سرآمدن ہنگامہ پردہ کشای۔ قیصری شارسانیست بزلزلۂ وجدِ دل کارفرما از ہم پاشیدہ بشورافگنی تابش ذرہ ہای آفتابی از درد برشکستن بارنامہ داستانسرای۔ نگویم دود و چراغست یا لالہ وداغ اما سوختگی را سرگزشت ست دختگی را رویداد۔ نگویم تجلی و طورست یا جنت وحور اما نازش را قلمرداست و آرامش را سواد۔ طلسم شعلہ و دودست بازبستۂ زردشت خیال، شعلہ پنہان و دود پیدا۔ دل لوح طلسم و زبان طلسم کشا۔ ہنگامۂ ابروبادبست برانگیختۂ جادوی فکر ابر گہرپاش و باد الماس فشان۔ اندیشہ طومار نیرنگ و لب افسوں خوان خیل غزالیست بسامان حبشی کہ در کمینگاہ روی دادہ ست از دام بدرجستہ۔ دود کبابیست باندازپیچ و تابی کہ از شعلہ دردل افتادہ ست برہوا تتق بستہ جمالیست در پردہ نمائش خویش مشاطۂ حقیقی را ستایش نگار۔ نہالیست درسایۂ برومندی خویش نخلبندِ ازل را سپاس گزار۔ مثنوی:

اے نہاں بخش آشکار نواز	دل بغم تن بجاں گرامی ساز
شررے کز تو در دلِ سنگست	بررخِ لعل جلوہ رنگ ست
اے بساطِ زمیں نشیناں را	دے مشامِ یگانہ بیناں را
از رگ نوبہار نافہ کشاے	وز دمِ بادِ صبح غالیہ ساے

اے فگندہ بروی شاہد ذات | عنبریں طرّہ از نقابِ صفات
بفروغت مہیں نیایش جاے | از بساطِ سیاہ کیواں زاے.
اے فلکہا حبابِ قلزمِ تو | وے زمیں لاے بادۂ خُمِ تو
از رحیق خمت بدیر مغاں | لای پالای مَی سہیل فشاں
بودنی بخش خوب وزشت توئی | رونقِ کعبہ و کنشت توئی
اے گزیں نقشہا کشیدۂ تو | ہر چہ در دہر آفریدۂ تو
دیدہ راجوی خوں کشادۂ تست | نالہ را بالِ برق دادۂ تست
اے مرا فرّ خسروی دادہ | پارسی را بہ من نوی دادہ
ہم بہ تسلیمِ عجزِ تن زدہ ام | کز تو در مدحِ خویشتن زدہ ام
ناتوانی قوی اساسیہاست | خود نمائی خدا شناسیہاست

سخن آفرین خدای گیتی آرای راستایم کہ تا نہانخانۂ ضمیرم را از فراوانی رنگارنگ معنی بہ لعل و گوہر انباشت، بازوی ہم را تر ازوی مرجان سنجی و خامہ ام را ہنگامۂ گہر پاشی ارزانی داشت، اینت رایگان دہندہ منت نانہندہ، سخنور نواز دادر پیروز گر را نازم کہ چون تن بکشاکشِ تحسین دادن ننگ گرانمایگی بیانم شناخت بنازشِ والای ببین روشہا و برازش زیبائی گزین اداہا از قبولِ خلق بے نیازم ساخت۔ آنت دشمن کام آفرینندہ و بکوری چشم دشمن برگزینندہ فطرتِ پاکیزگی گوہرم را در خورِ آلایش داغ ہم چشمی ندید، و پیداست کہ یکتائی جز او را نزیبد۔ لا جرم مژہ ام را در خونابہ فشانی باز بانم ہمداستان کرد۔ زہی یگانہ دادرِ دانا رحمت حوصلۂ آفرینش را گنجائی اندوہ غم خوارئِ من نہ بخشید و دانست کہ رنجور جز بہ تیمار نشکیبد، ہر آئینہ دلم

رادرین جانگزای برمن بدرد آورد۔ خی مہربان خدائے توانا بہوالیش سینہ از
بیتابی نفسم آذر نگار بہ ثنایش صفحہ از شادابی رقم بہار اندای نہادی درگداز تفت
دوزخ غوطہ خوار سوادی از راز ہشت گلشن پردہ کشائے + خرد آشوب زمزمۂ کہ
بذوق بخشی نشاطِ سامعش زہرہ از آسمان فرود آید بزبانم ودیعت نہادۂ اوست۔ و
ہوش رباجنبشیکہ بکرشمہ ریزی انگیزادایش از حوران طوبی نشین درود آید بہ نئے کلکم
باز دادۂ اوفرد:۔ رشح کف جم ہمچکد از مغز سفالم۔ سیرابی نطقم اثر فیض حکیم ست۔
تاروپود تشریف عقیدت سلمانیم وفرزانہ قہرمان قلمرو خندانی دل بشراک تعلین محمد
صلی اللہ علیہ وسلم آویختن کیش د آئین من وطغرای والای یا اسد اللہ الغالب نقش نگین من۔
لای خم میخانہ سرمدی نسبت ناچشیدگان سگالند کہ ہیچدانی را این مایہ سیرابی نطق
از کجاست؟ غافل کہ نم رشحۂ یک فیض ست کہ سبزہ را دمیدن ونہال را سرکشیدن و
میوہ را رسیدن ولب راز مزمہ آفریدن آموخت بہ پرتو مہتاب ازلی ہدایت شبگیر
نکردگان اندیشند کہ تیرہ سرانجامی را این ہمہ روشنائے گفتار چراست؟ بیخبر کہ فرہ
تابش یک نورست کہ شمع را بشعلہ وقدح را بباد ہ، وگل را برنگ، ودروں را بہ سخن
برافروخت۔ آنکہ سیہ خیمۂ لیلیٰ منشان را بفروغ شمعہاے کافوری خاورستان کرد،
وادی مجنوں روشاں را از ہجوم کرمک شب تاب پرواز چراغاں بخشید، وپشۂ نخل
آرزو آب از مغزِ سرِ قارون میخورد۔ مایہ داری بینوایان دو باب خامہ درایثار لعل
وگہر عرض گنجینہ توانگران میبرد۔ فراوانی دستگاہ معنی نگاراں بنگر، باغ از گلفشانی نہا
لہاے دست نشان نامہ اعمال نکوکاران خداپرست وراغ از انبوہی گوناگون لالہ
ہای خودرو کارگاہ خیال ہوسناکان شاہد باز۔ فرد:

هر دل شده از دوست در انداز سپاسیست　　ما نا که نگاهِ غلط انداز ندارد

رهرد آزرده پای را سایهٔ خاربن نشیمن پروازست، و در سینهٔ کشادرز اخگر تافته گوهر شب چراغ، سیل سرشکی که برد ے ماتمیان میدود دیار غم راروائی فرمان دردست، ودامن برچیده که بدست آزادگان اندرست ده کیاۓ قلمرو خُرسندی را توقیع، تومندان رارخ برافروختگی، فرّخ سرمایهٔ همان کف خون ست که اگر بشرائین ودیدگر ما گرم از مژه ریختیم، واگر رنگ گردید دمادم بروی شکستیم خود آرایان رااطلس وسنجاب ارزانی، فرجام جز از ردن اندام نیست، دماتن از ناتوانی تاب گرانی نداریم و بدل از نازکی۔ رنج تنگی قبا برنتابیم۔ لطافت تازه بهار رنگهاے شکستہ دریافتن نه زهرهٔ هر دیده درست۔ و به نزاکت وشیر قماش کتانهاے ماهتابی دارسیدن نه اندازهٔ هر اداشناس۔ اگر ذرّه از برهنگی آفتاب پوشستی زرین طیلسانان خودآرای راچه رشک؟ واگر ویرانه از جگر تفتگی ماهتاب آشامستی، شبستانیان آرمیده دردن راچه خبر؟ واغم از کوته نظران تنگ چشم کی دمیدن تازه گل از گیاه و درخشیدن برق بشبهای سیاه شگفت ندارند وجنبیدن زبانهای گویا بسخنهای نغزوش خوارانگارند غنچه مشکین نفس ست وباد غالیه سای وگل کشاده روی وبلبل نواسنج، زبان چه گنه کرده ست که سخن سرای نباشد، مهر جلوه برتابد وذرّه بیتابی وبحر روانی وقطرهٔ اشتلم، دل راکه گفته است که از شورش ستوه آید۔ همانا بدانست این گرده باده درخمخانه توفیق همان قدر بود که حریفان گزشته رادر تردماغ ساخت حالیا بساط بزم سخن برچیده وجام وسبو برسرهم شکسته داز آن قلزم قلزم راوق نمی برجای نمانده پندارند کاش بانجمنی که من درفرودین زده بحلقهٔ

او باش قدح میگیرم فرا رسند تا دارسند که می فراوان ست وساقی بیدریغ بخش پیانہ با جرعہ ریز ست ولبہا العطش گوی للہ درُ من قال بیت:

هنوز آں ابر رحمت درفشاں ست　　　می و میخانہ با مہر ونشاں ست

آری صہبای سخن بروزگار من از کہنگی تند پُر زورست۔ وشب اندیشہ را بفر ومیدان سپیدۂ سحری برات فراوانی نورست۔ ہر آئینہ رفتگان سرخوش غنودہ اند ومن خرابستم پشینان۔ چراغان بودہ اند ومن آفتابستم

مسنج شوکتِ عرفی کہ بود شیرازی　　　مشو اسیر زلالی کہ بود خوانساری

بسومنات خیالم درآی تا بینے　　　رواں فروز بردوشہای زناری

قلم کہ رود بار تا پیدا کنار اندیشہ را نجارہ آبسنج بودہ است بروزگار گزیدہ یا بیم لؤ لؤ خیز گردابی بیمودہ است کہ از بسکہ دران آمد شد بناف صدفہائے بگوہر آبستن خلیدہ پنداری خط شعائی مہرست بمغز شبنمستان فرو دیدہ ورق کہ میکدۂ سخن را کاسۂ باہ پیمائیست بہ دوران پسندیدہ جویم از بادۂ نابی شاداب رشحۂ ربائیست کہ از بسکہ نم آن قدسی زلال کیفیت نشۂ خضری بہ طینتش درآوردہ، گوئی چمن سرمایہ سفالیست۔ دستہ دستہ ریحان از خویش برآوردہ، دل بنور دین افروختہ۔ باز پسین وخشورم۔ اگر گویم کہ گزشتن من بپایہ ازگزشتگان عجب نیست، چہ عجب؟ پرورش آموختہ نخستین دستورم اگر سنجم کہ سر آمدن من در شیوۂ برہمفنان شگفت نیست چہ شگفت؟ خوانِ ایزدی نیایش تبرّہ ستائش خویش آراستن بشمارہ بخششہائے واور افزونی ذوق سپاس خواستن ست۔ تکلف برطرف سعیم درمنعم پرستیت نہ درخود فروشی زمزمۂ نعت ومنقبت دریک پردہ بیک آہنگ سرودن

دلدادہ نوای سبز و رسبز تولا بودن است۔ تعصب پیشکش قدم در جادہ پیمائیست نہ در بیراہہ روی۔ قطعہ:

نہ چنانم کہ بر عقیدۂ خویش | از فسونِ کسے ہراس کنم
نہ توانم کہ از نصیحت و وعظ | عالمی را خدا شناسی کنم
نہ کہ اخبارِ پاستانے را | دیو افسانہا قیاس کنم
نہ کہ ز آثار ہر چہ مشہور ست | اثری تازہ اقتباس کنم
نہ کہ از بہر حلّہ ہائے بہشت | ترکِ آرایش لباس کنم
نہ کہ در عالمِ فراخ روی | عار از ژندۂ پلاس کنم
چون نہ من ساقیم نہ مختسبم | نہ بر بزم نہ مے بکاس کنم
نہ بواجب زسعے در مانم | نہ بہر مدّعا مکاس کنم
بر مدارا اگر مدار نہم | کاخِ الفت قوی اساس کنم
لیک ناید ز من کہ در گفتار | مدحتِ لالہ سور داس کنم
فصلی از مدح خود توانم خواند | گر نہ لب راز لاف پاس کنم
خوشنوایم مرا رسد کہ ز رشک | زہر در جامِ بونواس کنم
میتوان پنجہ از نظامے برد | پارۂ جمع گر حواس کنم
توسنِ طبع من بدان ارزد | کہ ز بالِ پری قطاس کنم
مزرعِ خویش را بکاہ و ردہ | ناخنِ حور صرفِ داس کنم
ہمچو سرو از غمِ خزان برہد | گلبنے را کہ من مساس کنم
کوثر از موج وا کند آغوش | اگر انداز ارتماس کنم

چه ازین فرقهٔ ادا نشناس	خویشتن را ہلاک یاس کنم
بد دبیتی زگفتہای حزین	صفحه را طرّهٔ ایاس کنم
لائق مدح درزمانه چونیست	خویشتن را ہمی سپاس کنم
کس زبانِ مرانمے فہمد	بعزیزاں چه التماس کنم

سرو بہوای تلانی عطیهٔ نشو ونما سر بپای ابر ساید وابر درادائے سپاس سرمایه بخشی گہر برفرق دریا افشاند دیده دران شناسند که نیروی گستاخی سروہم از پہلوی ابرست وفراخی دستگاه ابرہم بگنجینهٔ دریا۔ ای بشادردان سہیل وزُہره فشان معنی بار نیافته ومرا از کوتہی برداشت یا درازی فرد گزاشت بترخانی نپذیرفته یکره بدانش دداوگرای وبورزش ہنجار دردنی جستجو دگردش پرکار آمیغی نگاپوسراپاے چون بوی گل از بساطت مینای سخن رابه پیمای دہم ازخود پرس که روان بشناختن رمز ہرگونه گزارش چه مایه دانا۔ دبنان بگزاردن حق ہر شیوه نگارش چه قدر توانا گردد، تا ادای سره روشی وانداز دیژه خرامشی دست بہم دہد واز عالم ناہمواری کیش و آئین ہستی نشانان آشکارا سگال چہادر اندیشه گرد آید، تا ہرخاستن فرجام دوروئی و درست نشستن نقش یکتا گزینی رادلکشا انگارهٔ وجود پزیرد۔ بزبان موجی که صہبا را بہ پیمانه اندرست سرگزشت جوش خویشتن پالائی که درخلوت خم میزند شنید نیست وبنگاه رگ تپشی که پروانه مار اور بال وپرست برق ذوق ہستی فشانے که درنہاد دل دارد دیدنی۔ چنانکه انتہای آرزوی متقدمین وابتدای آبروی متاخرین۔ شیخ علی حزین سراید زمزمه۔ شمعہا برده ام ازصدق بخاک شہدا: تادل ودیدهٔ خونابه فشانم دادند۔ انصاف بالای طاق ست درہوائیکه بال بالاخوانی زده ودرادائیکه

سودرا بمہری سودہ ام یمہ ازان شاہد بازیست یسی ہواپرسی ونیمہ دیلر توانر ستائیست بمعنی بادخوانی۔ بیدادبین کہ ہرجابشانہ خمی از زلفِ مرغولہ مویان کشودہ شود بلا درمن آویزد تا دل بہ پیچاکِ آن شکن بندی وخواری نگر کہ ہرگاہ از خود غافل واز خدا فارغی براورنگ سروری کج نشیند، ہوس مرابرانگیزد تا پیشش بندہ وار راست استی۔ شادم از آزادی کہ بساختن بہنجارِ عشقبازان گزاردستم، وداغم از آزمندی کہ ورقی چند بکردارِ دنیا طلبان درمدحِ اہلِ جاہ سیہ کردستم، دریغا کہ عمرِ سبک سرلختی بجامہ وچنگ سرآمد وپارۂ بدروغ ودریغ رفت۔ فرجامِ گرانخوابی برنخاست وآشوبِ ہوسناکی فرونہ نشست ہنوز خون رادر پوست ہنگامۂ شورشِ رستخیز این آزِ گرم ودر جیبِ دل از خارخارِ شوق خواہش این آرزو درازست کہ ہر آئینہ گفتار ہای پریشاں بفراہم آوردن ارزد وخواہی نخواہی اوراق پراگندہ بشیرازہ بستن سزد چہ مایۂ شرمندگیست درین جہان باد پیمودن ودران گیتی گسستہ دم بودن حُسن رانظر فریبیِ رنگ وروان آسائی بوی دنشستِ کرشمۂ انگیز اندام ودرازیِ مژہ وکوتاہیِ نگاہ وراستیِ بالاوکژیِ خوی ودمِ سردیِ وفا وخونگرمیِ جفا و دلربائیِ التفات وجانگزائیِ تغافل وسبک خیزیِ مہر وگرانپائی کین ونکوئی روی وزشتیِ گمان وتوانائیِ دل ونازکیِ میان مسلّم، وسخن رادوشیزگی نہاد وپاکیزگیِ گوہر وبرشتگیِ مضمون، گداختگیِ نفس وچاشنیِ سپاس ونمکِ شکوہ ونشاطِ نغمہ واندوہِ شیوان وروائیِ کار، ورسائیِ بار، وپردہ کشائیِ راز وجلوہ فروشیِ نوید، وسازگاریِ آفرین ودلخراشیِ نکوہش، وہمواری صلا ودرشتی دورباش، وگزارش وعدہ وسپارش پیام وبارنامۂ بزم، وہنگامۂ رزم حاصل۔ اما من وایمانِ من، کہ بوالا رسیدِ یگانہ بینانِ موے

کیش، کہ سیاہ و سپید را وجود و پلاس و پرنیان را تار و بود نیافتہ اند، این بحر اغان دل پروانہ و آن بہاران زیر بال بلبل ماند۔ اشیاء صور علمیہ ھفند دالوان نگار بال عنقا بنقشہاے از رگ کلک فرو ریختہ نقاش را صد رنگ پردہ دری و بنواہای از ساز بدر ناجستہ مطرب را ہزار پردہ رامشگری، ہر چہ از پردہ گفت بال ہویدائی زند جنبش موج شمال ست، و ہر چہ آئینہ دید جلوہ انگیز دگردش فانوس خیال۔ سبک مغزانے کہ بباد آویختہ انداز گفتار جز گفتار چہ دریافتہ وگرانجانانی کہ بہستی اشیاء ہستو شدہ انداز سر او جز سر او چہ واشگافتہ؟ چنانکہ پردہ سنج این سوز و ساز خداوند گلشن راز فرماید۔ بیت:

ہرانکس را کہ اندر دل شکی نیست   یقین داند کہ ہستی جز یکے نیست

بلہ ہان اسد اللہ جامہ گرد آورنامہ سیاہ اے بہ کیش تیرہ و بدانش تباہ جامہ گزاشتن در نبرد گردن کشان ہوا، و دامن بدندان گرفتن خرد در پیکار زر در آوران ہوس۔ نہ کم اند دہی و اندک تشویریست کہ بحلقہ ماتم نشستہ این مصیبتِ نشاط کار دیگر در خود آہنجد، و چشم بر پشت پا دوختہ این خجلت سر از زانو برداشتن سنجد، دین کہ اشارت بکار نامہ مینوست و آن رنگا رنگ آرزوہاے ہرزہ خونگشتہ تن پردرا نیست کہ بگیتی از سرمایۂ کامرانی بی برگ و نوامشتی بفرمان تہیدستی پابگل وگردہی بامید پاداش سر بہوا بودہ اند مزد حسرتیان، دنیا کہ عبارت از ہنگامۂ جاہست و آن گونہ گون نقشہای بگزاف انگیختہ بیخبرا نیست کہ سراب را بجیطی، وہیچ را ہمگی برگرفتہ بی شرارہ و خاشاک باہم درگرفتہ اند مفت کشتیان۔ خیالی در نظر خون کردن وگلستان نامیدن غباری از رہ گزر وہم برانگیختن و آسمان نقش بستن۔ از

معنی بصورت آیم و بمذاق آشکار اپرستان پوزشگزار به باد افراه این شوخ چشمی که بستودن خویش در حاسد آزاری دلیری کرده خونها در دل و عقده ها بر لب افگنده ام سخن را در حقِ خویش به پستیؔ افگنم تا آموزگارانه فطرت را گوش تابی داده باشم لختی خزف ریزه بریسمان کشیدن و سلک گوہر شاہوار شمردن مشتی نے پارہ بدمہ دم برافروختن و خود را ہیر بد آذرکدۂ پارس دانستن، بوریا بافتن و بدیبا طرازی نام بر آوردن۔ سنگ آسیا آژدن و آوازۂ الماس تراشی در افگندن روا بودۂ کدام دستور و بازنمودۂ ~~کدام~~ فرہنگ ست؟ ای آزادۂ از گرفتار وای فرد رفتۂ نشیب لاخ پندار! اے مسلمان زادۂ کافر ماجرا واے شائستۂ نفت و بوریا ای بزبان جہاں جہاں شور غریو! واے بدل یک اہرمنستان رنگ و ریو! دلت از تاب ناروا اندیشہ ہا خون، و زبانت بکیفر بیہزہ گفتار ہا از قفا بیرون باد۔ فریبم وہی کہ ہنگام را گنجائی خرد الفنجیدن نیست و پوستین یاران آفتی کہ ہنگامہ روائی ہنر سنجیدن ندارد آخر نہ از تُست در بردی ہوس فراز کرن، و دیدہ بدانست خویش باز کردن راہ دانش و داد سپردن در روزگار بآراستن خوہاد کاستن آرزوہا بسر بردن با خویشتن در آفت و با خلق میاویز بہ کنج تنہائی بنشین و از سرانجمن آرائی برخیز۔ فرد:

زالّا دم زن و تسلیم لا شو　　　بگو اللہ و برق ماسوی شو

اندیشہ نسنجد و گمان نسگالد کہ غالب از دانش بے بہرہ بدستہ بستن این گلہای خرزہرہ آہنگ خودآرائے و انداز انگشت نمائی دارد۔ بلکہ خونگری ابرام دالاے را ورصدرہ از جاں گرامی تر۔ مہر ابر گوہر بار و بچشم آتش بی زینہار تقویٰ پیشہ، سروری و دستگاہ، راستی اندیشہ کج کلاہ بہ ورع پیشگی از جنید و شبلی خرقہ یاب، و بجکلی ردکش

کیخسرو وافر اسباب۔ پرویز بزم، تہمتن رزم، مہر جمال، مشتری خصال، بہشتی ردے، بہاران خوی، جفا گسل، وفا پیوند، دوست کشای، دشمن بند، مثنوی:

بگیتی از وفادارے جہانے	محبت راز مین وآسمانے
بدارایان بدارائے نشانہ	بدانایان بدانائی فسانہ
بہ نیر دسرکشان رانیچہ برتاب	بدانش صاحب آثار فرتاب
نظر پروانہ شمع جمالش	تماشا بلبل باغ خیالش
نگاہش سالک دردل دویدن	دلش مجذوب باردل کشیدن
دل وجان تمنا جلوہ گاہش	ہجوم آرزوہا گرد راہش
خطش عنواں نگارخوب روئی	لبش فرہنگ دان بذلہ گوئی
بہمت دہر گلشن ساز ابرے	بسطوت بیشہ عفن کن ہزبرے
نہادش راز والائی نشانہا	زبانش راز دانائے بیانہا
خیابان نکوئی رانہالے	بیابان شگرفے راغزالے
بدریاے محبت بے بہاذر	امین الدین احمد خان بہادر

آنکہ پارسائی رادر سرشتش از استواری آن پایہ کہ باچون منی عمرہا از یک دلی یکر دلی بودہ وہیچگاہ در حلقہ رسوائی من دخلوت برنائی خویش لب بمی نیالودہ آنکہ مہرش از دل نشینی درنہادم بدانمایہ کہ اگر بشایستگی رونمایش مسلم نداشتمی جانرا گرامی نہ پنداشتمی مرا برین کار داشتہ وہمتم را بہ پنبہ دوزی این کہن دلق گماشتہ است رنگہای از خجلت این خودنمائی بردشکستہ را دیدن برنتابد ونگہاے از قبول این رسوائی بخود بازبستہ راشنیدن درنیابد نہ بدان معنی کہ از سکما گی کالا خواری

میکشم بلکه چون متاعم بآبِ این قلمرو نیست ازگرانی خاطرِ احباب شرمساری میکشم۔ آری چرا چنین نباشد که شخصِ استعدادِ مرا پیرایهٔ نازشِ فضلی وتشریف وجود مراسرمایهٔ دارشِ کمالی نیست نه ترانهٔ صرف واشتقاقم برلب ست ونه زمزمهٔ سلب و ایجابم بزبانَ نه خونِ صرامم بگردنست ونه نعشِ قاموسم بردوش نه آبلهٔ پائی جادهٔ صنائم ونه گوهرآمای رشتهٔ بدائع کبابِ گرمیِ آتش بیدودِ پارسیم وخرابِ تلخیِ بادهٔ پرزورِ معنی، آتشکدهٔ تازیان عجم راسمندرم، سوزِمن هم ازمن پرس۔ وگلزارِ نخلبندانِ پارس راَبلبم شورِ من هم ازمن جوی۔ سبزهٔ دماندهٔ ابرست وگل فشاندهٔ بادچیدن ودسته بستن کمینه صنعت ست، ویارانِ پیشه ورانذآری بیکارنشاید زیست۔ نفس درشراره کاشتن ست وزبان درزبانه درودن درگرفتن دهم از خود مایه برگرفتن شگرف حالت ست۔ وماا ندرین هنگامه ایم یعنی از ذوق میتوان مُرد۔ فرد:

درته هرحرفِ غالب چیده ام میخانه
تازدیوانم که سرمستِ سخن خواهد شدن

☆ ☆ ☆

یہ متن مطبع منشی نول کشور لکھنؤ کے ذریعہ ۱۹۲۵ء میں طبع کلیات غالب کے دیباچہ کا صحیح نقل ہے۔ افسوس کہ کمپوزیشن میں بعض حرف، دو۔ حروف ان مٹ گئے ہیں۔

احتساب

محمد مستقیم

انیسویں صدی کے تین جلیل قدر شعراء نے اپنی اپنی شاعری کی کایا کلپ کی۔ شاعری کے حسنِ خیال میں سائنسی بصیرت ملا کر ایک نیا آمیزہ بنایا گیا جسے سائنسی رومان کہنا موزوں ہوگا۔ یہ سائنس پسند شعراء ہیں: برطانیہ کے پی-بی-شیلی امریکہ کے ایڈگر ایلین پو اور ہندوستان کے مرزا اسداللہ خاں غالبؔ۔

شیلی سائنس دانوں کے شاعر کے لقب سے مشہور ہیں۔ نوبل نواز سائنس داں، ایس- چندر شیکھر نے اپنی کتاب "حقیقت اور حسن" (Truth and Beauty) میں ان کا نہایت وقیع محاکمہ کیا ہے۔ اس سے محض ایک جملہ یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔ دھرتی آسمان سے پوچھ رہی ہے'' اے آسمان! آدمیوں نے تو میرے سارے رموز ہتھیا لیے، کیا ترے پاس کوئی رمز بچ رہا ہے؟'' اس استفسار میں نیوٹن کی آفاقی ثقلی کشش کی گونج ہے۔

بقول نوبل نواز عبدالسلام ایڈگر ایلین پو شاعری کو علم کیمیا کے طرز کی سائنس مانتے ہیں۔ ان کے مضمون یوریکا (Eureka) میں، ان کے عہد تک کے اہم سائنسی نظریات کا مختصر محاکمہ ہے۔ ان کا قول ہے'' خدا ہوئے بغیر خدا کو نہیں جانا جا سکتا''۔ ان کی نظر میں عالم کو سمجھنے میں وجدان خاصہ مددگار ہوسکتا ہے۔ ان کی شاعری حقیقت، حسن اور رمز کا آمیزہ ہے۔

غالبؔ نے اپنے عہد کے شعری رویے میں خاصہ معنوی اجتہاد کیا۔ اس نے

روایتی کرداروں کو سائنسی رول میں پیش کیا۔ مجنوں الیکٹران بن گیا۔ لیلیٰ نیوکلیس بن گئی اور فرہاد عملی سائنس داں اہ ق۔ بطور شہادت غالبؔ کے اشعار دیکھیں:

۱۔ بے پرواسوئے وادیٔ مجنوں گزر نہ کر ہر ذرے کے نقاب میں دل بے قرار ہے

الیکٹران مجنوں کی طرح نیوکلیس کے گرد گردش میں ہے۔ اس کی گردش سے گویا لیلیٰ کے گرد نقاب تن گئی ہے۔ الیکٹران کی وادی میں احتیاط سے گزر۔ اس میں لیلیٰ بے چین ہے۔

۲۔ ذرّہ ذرّہ ساغرِ میخانۂ نیرنگ ہے گردشِ مجنوں بہ چشمک ہائے لیلیٰ آشنا

دوسرے مصرعہ سے ظاہر ہے نیوکلیَس کی چشمک کے لحاظ سے مجنوں یعنی الیکٹران اس کے گرد گردش کرتا ہے۔

۳۔ تاندانی جگرِ سنگ کشودن ہدرست تیشہ داند کہ چہا بر سرِ فرہاد آمد

تا کہ تو ایسا نہ سمجھ لے کہ نیوکلیس کھولنے کی چھوٹ ہے ذرا تیشہ سے پوچھ، اسے معلوم ہے، کہ کیوں وہ نیوکلیس سے پلٹ کر فرہاد کے سر پر آ لگا۔

برطانوی سائنس داں رتھر فورڈ نے ۱۹۱۱ء میں نیوکلیس واشگاف کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ اس عمل سے منسلک ایک روداد کا ذکر ان کے الفاظ میں سنیں:

" It was almost incredible as if you fired a fifteen inch shell at a tissue paper and it bounced back and hit you".

(یہ ناقابلِ یقین لگتا ہے کہ گویا آپ پندرہ انچ کا شیل ایک کاغذ کی پڑیا پر چلائیں اور وہ نشانے سے پلٹ کر آپ کو آ لگے۔)

نیوکلیس مُثبت برقی چارج کا حامل ہوتا ہے۔ رتھر فورڈ مُثبت برقی چارج کی

گولی (ہلیم کا نیوکلیس) اس کام میں استعمال کر رہے تھے۔ ظاہر ہے مثبت برقی چارج کے ذرات ایک دوسرے کو خود سے دور ڈھکیلتے ہیں۔ اسی وجہ سے غالبؔ کے شعر میں تیشہ پلٹ کر فرہاد کے سر پر آلگا۔ حیرت نہ کریں کہ غالبؔ رتھر فورڈ کے سرگزشت کی پیش بینی کیسے کر سکا؟ جواب سیدھا ہے فطری قانون زمانہ کا پابند نہیں ہوتا۔

غالبؔ نے اپنی شاعری میں سائنس کے عنصر کا رچاؤ اپنے ہم مزاج دو معاصرین کی بہ نسبت زیادہ کیا۔ اس کے دونوں معاصرین ایسے ممالک کے شہری تھے جو سائنس کے بدولت باقی دنیا کو پیچھے چھوڑ چکے تھے۔ اس معاملے میں ہندوستان کسی شمار میں نہ تھا۔ غالبؔ نے شعر میں سائنس کی قلمکاری تو کی ساتھ ہی اپنے شعری معیار بھی بلند کیے تاکہ توازن برقرار رہے۔ اس کی نظر میں کوہکن تمثال شیریں کا نقاش اور اپنے فن کا ماہر بن گیا۔ خضر سیر افلاک کی دعوت دینے لگے وغیرہ۔

غالبؔ کا کمال یہ ہے کہ وہ سائنس کے حال سے زیادہ اس کے استقبال پر نظر رکھتا ہے وہ کہتا ہے:

ترے جواہر طرفِ کلہ کو کیا دیکھیں ہم اوجِ طالعِ لعل و گہر کو دیکھتے ہیں

غالبؔ نے اپنے عہد کے انکشافات کے جلو میں مستقبل کی ایجادات کی پیش بینی کی ہے۔ یہی کام مشہور سائنس داں کارل سیگن نے بھی اپنے ناولوں میں کیا ہے۔

جو ہے پردے میں پنہاں چشم بینا دیکھ لیتی ہے زمانے کی نگاہوں کا تقاضہ دیکھ لیتی ہے

(اقبالؔ)

محمد مستقیم